بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

ربوہ — پاکستان

ماہنامہ

# الفرقان

جلد ۹ — نومبر ۱۹۵۹ء — شمارہ ۱۱

## قرآنی ارشاد

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ: اے مسلمانو! تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو اسلام کی دعوت دے، نیکی کی تلقین کرے اور بدی سے روکے۔ یہی لوگ کامیاب ہوں گے ۔

سالانہ قیمت
پاکستان و بھارت
پانچ روپے

سالانہ قیمت
دیگر ممالک
دس (۱۰) شلنگ

ایڈیٹر:
ابوالعطاء جالندھری

# مجاہد بورنیو جناب مولانا غلام حسین ایاز مرحوم

## آہ! ایک اور شمعِ ہدایت بجھ گئی

گزشتہ ماہ علاقہ بورنیو میں فریضۂ تبلیغ ادا کرتے ہوئے ہمارے جواں ہمت اور سراپا اخلاص و ایثار و بے نفسی
جناب مولانا غلام حسین صاحب ایاز فاضل نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی اور اپنے رب کی
آواز پر خندہ پیشانی سے لبیک کہتے ہوئے اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّا اِلیہ راجعون۔
آپ نے پوری جوانی پورے جوش کے ساتھ دین کی خدمت میں صرف کی ہے اور اس کا بیشتر حصہ ہندوستان
و پاکستان سے باہر کے علاقوں میں اعلائے کلمۂ اسلام میں گزارا ہے۔ آپ کی روحانی تاثیرات کا ہی نتیجہ
تھا کہ آپ کے ذریعہ سے متعدد مخلص جماعتیں سنگاپور اور بورنیو وغیرہ علاقوں میں پیدا ہوئیں۔
مولانا مرحوم ان شب بیدار مجاہدین میں سے ایک تھے جو یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمام قدرتیں
حاصل ہیں اور وہ ہماری دعاؤں کو سنتا ہے۔ اس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں اور درحقیقت
ایسے لوگوں کی مساعی کے بار آور ہونے کا بڑا ذریعہ ان کی یہی پُرسوز دعائیں ہوتی ہیں۔
مولانا غلام حسین صاحب کو میں ان کے زمانۂ طالب علمی سے اچھی طرح جانتا ہوں۔ بہت بے نفس
اور متواضع عالم تھے۔ انہیں بڑی تڑپ تھی کہ مجھے زیادہ سے زیادہ خدمتِ دین کا موقعہ ملے آخری
مرتبہ دینی سفر پر جانے سے پہلے اپنی بڑی بچی کا رخصتانہ کر گئے تھے جن کا نکاح مکرم ملک عبداللطیف
صاحب ستکوہی لاہور سے ہوا تھا۔ ان کی اہلیہ محترمہ اور دو بچے اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے۔
یقیناً ان کی دور دراز علاقہ میں اس طرح وفات سخت صدمہ کا موجب ہے اور ایسے جاں نثار مجاہد کا اس
طرح داغِ مفارقت دے جانا بہت ہی رنجدہ حادثہ ہے مگر جہاں تک حضرت مولوی غلام حسین صاحب
ایاز کی ذات کا سوال ہے وہ یقیناً اپنے مقصود کو پا گئے اور نہایت کامیابی سے اپنے رب کے حضور
حاضر ہوئے ہیں۔ غریب الوطنی کی موت جو محض خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے ہو حدیث نبوی کے
مطابق قطعی طور پر شہیدوں کی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے مرحوم مجاہد بھائی کے
جنت الفردوس میں درجات بلند فرمائے اور اس کے جملہ متعلقین بالخصوص ان کے بوڑھے والد بزرگوار
جناب ملک غلام قادر صاحب اور مجاہد بھائی جناب مولوی غلام احمد صاحب فرخ، ان کے صدمہ رسیدہ
بچوں اور ان کی دردمند اہلیہ محترمہ کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جماعت میں ایسے
مجاہدین کے نقشِ قدم پر چلنے والے نوجوانوں کی فراوانی فرمائے۔

آمین ثم آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم


| جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ | **الفرقان** ربوہ ۔ پاکستان | ماہ نومبر ۱۹۵۹ء |
| --- | --- | --- |


# الفہرست


| | | |
| --- | --- | --- |
| ۱۔ انصار اللہ | ایڈیٹر | صلا |
| ۲۔ اسلام کی نشأۃ ثانیہ | جناب محمد شفیع خان صاحب کراچی | ۵صلا |
| ۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوب کلام | ابوالعطاء | ۹صلا |
| ۴۔ البیان (ایک رکوع کا سلیس اردو ترجمہ مع مختصر تفسیری حواشی) | " | ۲۵صلا |
| ۵۔ پیارے نبی کی پیاری باتیں ("الادب المفرد" کے انتخاب کا ترجمہ و تشریح) | " | ۲۹صلا |
| ۶۔ زندگی کا سرچشمہ (کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام) | | ۳۱صلا |
| ۷۔ ہندوستان میں تبلیغ اسلام کیونکر ہوئی؟ | جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی | ۳۲صلا |
| ۸۔ "حرف محرمانہ" پر تبصرہ | ابوالعطاء | ۳۴صلا |
| ۹۔ ہمارے معاونین | | ۴۰صلا |


## الفرقان کا سیرت خیر البشر ؐ نمبر

جلسہ سالانہ ۱۹۵۹ء کے موقعہ پر الفرقان کا خاص نمبر شائع ہو رہا ہے۔ یہ نمبر سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت کے متعلق ہوگا۔ اسمیں حضورؐ کی زندگی اور اخلاق اور قربانیوں کے بارے میں ٹھوس اور تحقیقی مقالات شائع ہونگے۔ اہل قلم حضرات جلد تر اپنے منظوم کلام اور مقالات ارسال فرما کر ثواب حاصل کریں۔ ۵ ردسمبر کے بعد آنیوالے مضامین شائع نہ ہو سکیں گے۔

چونکہ یہ رسالہ الفرقان کے دو چند حجم پر شائع ہوگا اسلئے یہ نمبر جنوری اور فروری ۱۹۶۰ء کا رسالہ ہوگا۔ جو دوست جلسہ سالانہ پر تشریف لائیں وہ خود دفتر الفرقان گولبازار ربوہ سے یہ خاص نمبر حاصل فرمالیں۔ باقی خریدار اصحاب کے نام یہ رسالہ حسب ضابطہ ۱۰ر جنوری ۱۹۶۰ء کو بذریعہ ڈاک روانہ ہوگا۔ انشاء اللہ ——— (مینجر الفرقان ربوہ)

## تبصرہ　　کتاب زندگی

نفیس اکیڈمی کراچی نے نہایت دیدہ زیب سرورق کیساتھ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قیمتی تالیف "الادب المفرد" یعنی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی زندگی سے متعلقہ احادیث کے مجموعہ کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے مترجم سید عبد القدوس صاحب ہاشمی ہیں جنہوں نے ترجمہ کے علاوہ علم الحدیث اور اسکی اصطلاحات کے متعلق ابتداء میں ایک مقدمہ بھی شامل کیا ہے جو بہت مفید ہے۔ متن کا ترجمہ اچھی محنت سے کیا گیا ہے اور عمدہ ہے۔ کتابت باوجودیکہ ایک خاتون محترمہ انوری بیگم صاحبہ دہلوی نے کی ہے مگر بہت [illegible]

نوٹ:۔ رسالہ کی تاریخ اشاعت ہر ماہ کی ۲۰ تاریخ ہے۔

# انصار اللہ

## دینِ حق کی تائید و نصرت کرنے والی جماعت

سہ این دو فکرِ دینِ احمدؐ مغزِ جانِ ما گداخت ﴿ کثرتِ اعداءِ ملت قلتِ انصارِ دیں

اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے۔ اس کی اشاعت کیلئے دلیل و برہان اور آسمانی بیّنات کو ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کسی قسم کے جبر و تشدد کا حامی نہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جبر سے مذہب قائم نہیں کیا جا سکتا۔ جبر سے صرف منافق پیدا کئے جا سکتے ہیں جو دل میں کچھ عقیدہ رکھتے ہوں اور زبان سے کچھ اور ظاہر کرتے ہوں مگر ایسے لوگوں کو اسلام برداشت نہیں کرتا۔ قرآن مجید فرماتا ہے اِنَّ المنافقین فی الدّرک الاسفل من النّار کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

دل کا اطمینان دلیل و برہان اور آسمانی نشانوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ اسلئے اسلام نے جہاں ایک طرف جبر و تشدد کو ناجائز قرار دیا۔ اور فرمایا لا اکراہ فی الدّین قد تبیّن الرّشد من الغیّ۔ "مذہب میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں۔ کیونکہ اب ہدایت کھلے طور پر ضلالت سے ممتاز ہو چکی ہے"۔ وہاں دوسری طرف اس نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ اسلام آسمانی نشانوں کا حامل ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے زندہ معجزات کے ذریعہ قلوب کو فتح کرتا ہے اور اس کے مقابل پر کسی اور دین کے پیرو ایسا نہیں کر سکتے۔

اسلام کی تبلیغ اس کی خوبیوں، اس کے محاسن اور اس کے فضائل کی اشاعت و ترویج سے ہی ممکن ہے۔ اور یہ کام اسلام کے ماننے والوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ولتکن منکم اُمّةٌ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینھون عن المنکر واُولٰئک ھم المفلحون۔ کہ اے مسلمانو! تمہاری کامیابی کی کلید یہ ہے کہ تم میں ایسی جماعت موجود رہے جو ہمیشہ اسلام کی تبلیغ کرتی رہے۔ اوّلیت مسلمانوں نے اس راز کو سمجھا اور اسے بتایا وہ دور دراز علاقوں میں اسلام کے نام کے پھیلانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنی زندگیوں کو اسلام کا عملی نمونہ بنایا اور اپنی تمام طاقتوں کو اس کی اشاعت کے لئے وقف کر دیا۔ یہی وہ حقیقی ذریعہ تھا جس سے اسلام دنیا میں سرعت اشاعت پذیر ہو گیا اور دوسری قومیں دنگ رہ گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ مسلمانوں پر ایک دورِ انحطاط و تنزل بھی آنے والا تھا۔ اس کے متعلق قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں پیشگوئیاں موجود ہیں۔ ان پیشگوئیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے یہ خوشخبری

بھی دی ہے کہ اس آخری دور میں اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہوں گے اور ایک ایسی جماعت بھی ہوگی جو اسلام کی اشاعت کا بیڑہ اٹھائے گی اور اپنی زندگی اور قیام کا نصب العین صرف یہی سمجھتی ہوگی کہ قرآن مجید کی تعلیمات کو اکنافِ عالم میں پھیلایا جائے اور اسلام کا پھریرا دنیا کے کونے کونے پر لہرایا جائے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انّہٗ سیکون فی آخر ھذہ الامۃ
قوم لھم مثل اجر اولھم یامرون
بالمعروف وینھون عن المنکر
ویقاتلون اھل الفتن۔

کہ امتِ محمدیہ کے آخری حصہ میں ایک ایسی جماعت اور قوم ہوگی کہ ان کو صحابہ کا سا اجر و ثواب نصیب ہوگا کیونکہ وہ اسلام کی دعوت دیں گے۔ امر بالمعروف کریں گے اور بدیوں سے روکیں گے اور فتنہ پیدا کرنے والوں کا مقابلہ کریں گے"۔

اس حدیث نبوی میں قرآن مجید کی آیت وآخرین منھم لمّا یلحقوا بھم (سورہ جمعہ) کے مطابق آخری زمانہ میں صحابہؓ کی مانند پیدا ہونے والی جماعت کا ذکر ہے اور تہتّر فرقوں میں سے ہونے والے فرقہ ناجیہ کا بیان ہے۔ ایک دوسری حدیث کے مطابق یہ مسیح موعود کی جماعت ہے۔ اس جماعت کا نصب العین اسلام کا احیاء و قیام اور اس کی اشاعت ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسی طرح انصار اللہ بن جائیں جس طرح حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام نے حواریوں کو انصار بننے کی تلقین کی تھی۔ فرمایا۔ یا ایھا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسی بن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ۔ کہ اے مومنو! تم خدا کے دین کی پوری مدد کرنے والے بن جاؤ۔ جس طرح مسیح بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ تم میں سے کون اللہ کے دین کی اشاعت کے لئے میرا مددگار بنتا ہے؟ تو حواریوں نے کہا تھا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

اس آیت میں اسلام کے دورِ اوّل کے مسلمان بھی مخاطب ہیں مگر حضرت عیسیٰ بن مریم کے ذکر کے لحاظ سے اس کا خطاب زیادہ تر آخری دور کے مسلمانوں کو ہے کیونکہ آخری دور میں اسلام پر اسی طرح کی غربت اور بے بسی آنے والی تھی جس طرح اس کے آغاز میں آئی تھی اور اسے اسی طرح ایسے سچے اور جاں نثار مددگاروں کی ضرورت تھی جس طرح دورِ اوّل میں پیدا ہوئی تھی۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے چودھویں صدی ہجری کے شروع میں آیات و احادیث کے مطابق مسیحیت و مہدویت کے دعویٰ کے ساتھ جو دعوت مسلمانوں کو دی وہ یہی تھی کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے خدا تعالیٰ نے مجھے عیسائیت کے سحر کو توڑنے کے لئے معجزہ کے ساتھ بھیجا ہے اسلئے چاہیئے کہ سب مسلمان اسلام کی حمایت اور اس کی تائید و نصرت کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اے لوگو مسلمانو! سنو! اور غور سے سنو!

کہ اسلام کی پاک تاثیروں کے روکنے کے لیے جس قدر پیچیدہ افترا اس عیسائی قوم میں استعمال کیے گئے اور پُر مکر حیلے کام میں لائے گئے اور اُن کے پھیلانے میں جان توڑ کر اور مال کو پانی کی طرح بہا کر کوششیں کی گئیں یہاں تک کہ نہایت شرمناک ذریعے بھی جن کی تصریح سے اِس مضمون کو منزّہ رکھنا بہتر ہے اسی راہ میں ختم کیے گئے۔ یہ کرسچن قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کاروائیاں ہیں کہ جب تک انکے اس سحر کے مقابل پر خدا تعالیٰ وہ پُر زور ہاتھ نہ دکھاوے جو معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتا ہو اور اس معجزہ سے اس طلسم سحر کو پاش پاش نہ کرے تب تک اس جادوئے فرنگ سے سادہ لوح دلوں کو مخلصی حاصل ہونا بالکل قیاس اور گمان سے باہر ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے اس جادو کے باطل کرنے کیلئے اس زمانہ کے سچے مسلمانوں کو یہ معجزہ دیا کہ اپنے اِس بندہ کو اپنے الہام اور کلام اور اپنی برکات خاصہ سے مشرف کر کے اور اپنی راہ کے باریک علوم سے بہرہ کامل بخش کر مخالفین کے مقابل پر بھیجا اور بہت سے آسمانی تحائف اور علوی عجائبات اور روحانی معارف و دقائق ساتھ دیئے تا اِس آسمانی پتھر کے ذریعہ سے وہ موم کا بُت توڑ دیا جائے جو سحرِ فرنگ نے طیار کیا ہے۔ سو اَے مسلمانو! اِس عاجز کا ظہور ساحرانہ تاریکیوں کے اُٹھانے کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے۔ کیا ضرور نہیں تھا کہ سحر کے مقابل پر معجزہ بھی دنیا میں آتا؟ کیا تمہاری نظروں میں یہ بات عجیب اور انہونی ہے کہ خدا تعالیٰ نہایت درجہ کے مکروں کے مقابل پر جو سحر کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں ایک ایسی حقانی چمکار دکھاوے جو معجزہ کا اثر رکھتی ہو۔

اے دانشمندو! تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالیٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور ایک بندہ کو مصلحت عام کے لئے خاص کر کے بغرض اعلاء کلمۂ اسلام و اشاعت نور حضرت خیر الانام اور تائید مسلمانوں کے لئے اور نیز ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔" (فتح اسلام صفحہ ۷)

اس اعلان پر آج پورے ستر برس بیت چکے ہیں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی سچے ماموروں اور نبیوں کی مانند شدید مخالفت ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو انصار اللہ کی ایک مخلص جماعت بنانے میں وہ کامیابی عطا فرمائی جس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ یہ جماعت دورِ اوّل سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر اسلام کی خدمت کے فدایانہ جذبات سے کام کر رہی ہے۔ مولانا عبد الماجد صاحب مدیر "صدق جدید" لکھنؤ نے بھی اعتراف فرمایا ہے کہ:-

"احمدیہ جماعت قادیان اپنے رنگ میں جو خدمت تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں کر رہی ہے یہ رسالہ (تبلیغ اسلام دنیا کے کناروں تک ناقل) اس کا پورا مرقع ہے۔ جماعت کے مشن یورپ، امریکہ، مغربی افریقہ، مشرقی افریقہ، ماریشس، انڈونیشیا، نائیجیریا اور ہندوستان و پاکستان کے خدا معلوم کتنے مختلف مقامات پر قائم ہیں ان سب کی فہرست اور ان کی کارگزاریاں ان سے تبلیغی لٹریچر کی اشاعت انگریزی، فرنچ، جرمن، ڈچ، اسپینی، فارسی، برمی، ملایا، تامل، ملیالم، مرہٹی، گجراتی، ہندی اور اردو زبان میں انکی مسجدوں اور انکے اخبارات و رسائل کی فہرست اور اس قسم کی دوسری سرگرمیوں کا ذکر ان صفحات میں بڑی تفصیل سے ہے۔" (صدق جدید [illegible])

# اِسلام کی نشأۃِ ثانیہ

(از جناب محمد شفیع خان صاحب نجیب آبادی۔ کراچی)

معنوی لحاظ سے تو ہر نبی کا لایا ہوا دین اسلام ہی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہادی و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو دین ہمیں عطا فرمایا اس کا ذاتی نام بھی اسلام رکھا جیسا کہ فرمانِ الٰہی هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا سے واضح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اس کتاب میں بھی اور اس سے پہلی کتب میں بھی۔ اسلام کی نشأۃ اولیٰ صحفِ سابقہ کی پیشگوئیوں کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عمل میں آئی۔ ظہورِ اسلام سے قبل عرب کی حالت خصوصاً اور تمام دنیا کی عموماً اس درجہ بگڑ چکی تھی کہ توحید بالکل مفقود ہو چکی تھی۔ ہر جگہ بت پرستی اور شرک کا دَور دَورہ تھا۔ کتبِ الٰہیہ اور صحف انبیاء علیہم السلام میں تاویلاتِ باطلہ نے اصل عقائد کی جگہ لے لی تھی۔ یہود کے عالموں اور رہبانوں نے صرف تورات کے احکام پر عمل کرنا ہی ترک نہیں کیا تھا بلکہ تورات پر احادیث کو قاضی بنا لیا تھا عیسائیوں کے پاس تو کوئی کتاب ہی نہ رہی تھی۔ مزید برآں یہ کہ کفارہ کے اعتقاد نے ان کو پوری آزادی اور اباحت سکھا دی تھی عربوں کا حال تو اور بھی بدتر تھا۔ کیونکہ ان کے پاس اس وقت تک کتاب اللہ پہنچی ہی نہ تھی۔ ایران میں آتش پرستی ہوتی تھی۔ سچے خدا کو چھوڑ کر اہرمن اور یزدان دو الگ الگ خدا بنا لئے تھے۔ ہندوستان میں پتھروں اور درختوں اور ناقابلِ ذکر دیوتاؤں تک کی پرستش ہوتی تھی۔ غرض جس طرف نظر اٹھا کر دیکھو تاریکی ہی تاریکی تھی۔

اس وقت تمام دُنیا زبانِ حال سے ایک کامل ہادی اور راہنما کی آمد آمد پکار رہی تھی تب اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عربوں میں ایک رسول مبعوث فرمایا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ وہی خدا ہے جس نے ایک اَن پڑھ قوم کی طرف انہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا۔ یہ رسول صرف عرب کے لئے ہی نہ تھا بلکہ اس کی دعوت عام دنیا کے لئے تھی جیسا کہ اس نے باذنِ الٰہی فرمایا يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں۔ پھر ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ ہم نے تم کو تمام عالموں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس رسولؐ نے آکر کیا کیا؟ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ یعنی ان پر خدا کی آیات تلاوت کیں اور ان کو پاک صاف کیا اور کتاب اور حکمت سکھائی گو وہ اس سے پہلے بڑی بھول میں تھے پھر فرماتا ہے وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ اور ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی وہ اس کو بھیجے گا جو ابھی تک ان سے ملی نہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے ۔ اس آیت کا اس حدیث میں بھی ذکر ہے جس میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ آخرین کون ہیں تو آپؐ نے سلمان فارسی رضؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا لو کان الایمانُ معلقاً بالثریا لنالہٗ رجلٌ او رجالٌ مِن ھٰؤلاءِ (بخاری) یعنی اگر ایک وقت ایمان ثریا پر بھی اُڑ گیا تو اہلِ فارس کی نسل سے ایک یا ایک سے زیادہ لوگ اُسے واپس لے آئیں گے ۔

پس آیت قرآنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ یا اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کی خبر ہے جو مسیح موعود اور مہدی معہود کے نام پر تشریف لائیں گے جبکہ مسلمانوں کی حالت ظھر الفساد فی البرّ والبحر کے مصداق ہو جائے گی اور تمام دنیا کے روحانی پر تاریکی کے گھٹا ٹوپ بادل چھا جائیں گے وہ موعود آ کر پھر ان کو قرآن کریم کی آیات سنائے گا اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے گا اور ان کا تزکیۂ نفس کرے گا۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں اتارا ہے ۔ نہ صرف قرآن کا پہلا نزول ایک تاریک زمانہ میں ہوا ہے بلکہ آئندہ بھی جب دنیا میں تاریکی کا زمانہ آئے گا قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا میں اتریں گے اور پھر بنی نوع انسان کی راہنمائی اور ہدایت کے موجب ہوں گے یعنی ایسا زمانہ کوئی نہ آئے گا کہ دنیا میں خرابی ہو اور قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہدایت کا موجب نہ ہو سکیں۔ اور کسی نئی شریعت کی ضرورت پیش آ جائے بلکہ جب کبھی قرآن کا نور دُنیا سے مٹنے لگے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی پر پردہ پڑ جائے گا خدا تعالیٰ دوبارہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل روحانی وجودوں کو دنیا میں مبعوث فرمائے گا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو بھی ظاہر کریں گے اور قرآن کریم کی تعلیم کو بھی دوبارہ روشن کر دیں گے۔ کہ خرابی نہ قرآن میں تھی نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی بلکہ بنی نوع انسان کے فہموں میں خرابی تھی کہ وہ قرآن کریم کے معانی سمجھنے سے قاصر ہو گئے تھے۔ یا ان کے دلوں میں خرابی تھی کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اپنے اندر لینے سے محروم ہو گئے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے تحریر فرمایا ہے :-

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامِ شریعت کے زمانہ کو تین سو سال کا عرصہ قرار دیا ہے جیسا کہ آپؐ ایک حدیث میں فرماتے ہیں ۔ خیرکم قرنی ثمّ الّذین یلونھم

ثم الذین یلونهم ثم یکون بعدهم قوم یشهدون ولا یستشهدون و یخونون ولا یؤتمنون و ینذرون ولا یفون و یظهر فیهم السمن ۔ (بخاری جلد ۴ کتاب الرقاق) یعنی سب سے بہتر میری صدی ہے پھر اس سے اتر کر وہ لوگ ہوں گے جو دوسری صدی میں ہوں گے اور ان سے اتر کر وہ لوگ ہوں گے جو تیسری صدی میں ہوں گے مگر اس کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو گواہی دیں گے تو لوگ کہیں گے کہ تمہاری گواہی کا ہم کیا اعتبار کریں تم تو جھوٹ بولتے ہو۔ کوئی شخص ان کے پاس امانت رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوگا کیونکہ وہ سخت خائن اور بد دیانت ہوں گے۔ اسی طرح ان کا یہ حال ہوگا کہ وہ نذریں مانیں گے تو ان کو پورا نہیں کریں گے اور کھا کھا کر خوب موٹے ہو جائیں گے۔ یعنی دین کی محبت اور قربانی کا جذبہ ان کے اندر نہیں ہوگا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیه فی یوم کان مقدارہ الف سنة مما تعدون۔ درحقیقت اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک ہزار سال تک مسلمان دنیا میں کمزور ہوتے جائیں گے۔ اس کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق اسلام کو قائم کرنے والا مامور آجائے گا۔ اور اسلام پھر مضبوطی سے قائم ہو جائیگا۔ چنانچہ اسی سورۃ میں آیت ۷ میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ بعض وجودوں کو چن کر ان میں کلام الٰہی ڈالتا ہے۔ پھر فرماتا ہے ذٰلِكَ عالم الغیب والشهادة العزیز الرحیم ۞ یہ غیب اور حاضر کا جاننے والا خدا ہے جو غالب اور بار بار رحم کرنے والا یعنی وہ اسلام کو دوبارہ زندہ کرے گا۔"

(تفسیر صغیر ص ۵۴۷)

اللہ تعالیٰ نے محض ان اخبار پر ہی بس نہیں کی بلکہ جس مامور کے ذریعہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوتی تھی اس کا نام اور کام اور اس کی شناخت کی علامات تک نہایت وضاحت سے بیان فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ صف میں فرماتا ہے۔ واذ قال عیسی ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورٰیة ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ اور جو کچھ تورات میں ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالی بعثت کی جیسا کہ تورات میں بیان ہوا ہے تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی آمد کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد بالکل میری ہی طرح جیسے کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں بنی اسرائیل کا آخری خلیفہ ہو کر آیا تھا اسی طرح جس رسول کی میں خبر دیتا ہوں جس کا نام احمد ہے چودھویں صدی میں مثیل موسیٰ (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت ثانیہ کا مورد ہو کر آئے گا جس کا آنا جمالی شکل میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی آنا ہوگا۔ کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے الگ نہیں۔ پھر آگے فرمایا ہے کہ وھو یدعیٰ الی الاسلام کہ اس کے زمانہ کے لوگ اس پر کفر کے فتوے لگائیں گے اور اس کو اسلام قبول کرنے کے واسطے بلائیں گے۔ گویا یہ بھی اس احمد کی صداقت کی ایک دلیل ہوگی۔ پھر فرمایا ہے یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواههم واللہ متم نورہ

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ اس کے زمانہ کے لوگ چاہیں گے کہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کر کے چھوڑے گا خواہ کافر لوگ کتنا ہی ناپسند کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس رسول کے مخالفین تلوار کے ساتھ اس کا مقابلہ نہیں کریں گے جس طرح کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین نے اسلام کو تلوار کے زور سے مٹانا چاہا تھا بلکہ ان کا زیادہ زور منہ کی پھونکوں سے نورِ خدا کو بجھانے پر صرف ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ وہ خدا ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور سچا دین دیکر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے خواہ مشرک کتنا ہی ناپسند کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اس بشارت کے مطابق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو مسیح موعود اور مہدی معہود کے لقب سے ملقب فرما کر ایک گمنام بستی قادیان میں مبعوث فرمایا۔ اس وقت اسلام کی جو حالت تھی اس کا نقشہ آپ نے اس طرح کھینچا ہے ؎

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدینؑ

(باقی آئندہ)

---

## دی۔ پی آ رہے ہیں

جن احباب کا چندہ ختم ہے انکے نام رسالہ وی۔ پی بھیجا جا رہا ہے۔ براہِ مہربانی وصول فرمائیں ———— (مینجر)

---

## الفرقان نے سمجھا دیا کہ احمدیت کیا ہے؟

"جناب مینجر صاحب رسالہ الفرقان۔ السلام علیکم۔ بیماری کے دَوران تحریک توسیع اشاعت رسالہ الفرقان کی اطلاع ملی اور رسالہ کے اخراجات سے زیر باری کا علم ہوا۔ ایسا رسالہ جس سے کم از کم مَیں نے احمدیت کے تمام مسائل سمجھے ہیں اور جس نے مجھ کو سمجھا دیا ہے کہ احمدیت ہے کیا اس کا زیر بار ہونا قابلِ افسوس ہے۔ اپنی شفایابی پر ملغ روپیہ اعانت الفرقان ارسال ہیں۔ جس طرح چاہیں صرف فرمائیں[1]۔ اور مبلغ -/۵ جناب سید حافظ حاجی عبد القادر شاہ صاحب احمدی نے برائے اجرائے رسالہ مذکورہ ادا کئے ہیں ان کے نام رسالہ جاری فرمایا جاوے۔" (خاکسار بشیر احمد منسٹر ڈپٹی کلکٹر آف کانالونیز ضلع بہاولپور)

---

## ایک عمدہ رائے

جناب مولوی حکیم الدین صاحب احمدی لائلپوری لکھتے ہیں:۔

"الفرقان نے جو خدمتِ دین و علم کی ہے اور کر رہا ہے اس کی نظیر وہ آپ ہے۔ الفرقان کے حصہ البیان کے متعلق قارئین کی رائے آپنے معلوم کی تھی اس بارے میں میری حقیر رائے بھی یہی ہے کہ ہر پرچہ میں کم سے کم پانچ سات رکوع اسی تسلسل سے ہونے چاہئیں۔ اگر کاغذ کی وجہ سے رسالہ کی ضخامت کو مدنظر رکھتے ہوئے قیمت زیادہ کرنی پڑے تو میرے خیال میں -/۹ روپے بھی زائد نہیں ہوگا لکن البیان والا حصہ کافی ہونا چاہیئے"

---

[1] جزاکم اللہ خیراً۔ آپ کی طرف سے دو پرچے جاری کر دیئے گئے ہیں (مینجر)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ——— نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِبْرَاھِیْمَ ۵ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ہ

# حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوبِ بیان

{ ذیل کا مقالہ مجلسِ مذاکرۂ علمیہ کے ایک خاص اجلاس میں پڑھا گیا تھا۔ اس کی افادیت اور احباب کی تجویز کے مطابق اسے شائع کیا جارہا ہے ——— (ابو العطار) }

ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کلدانیوں کے شہر اُدر (علاقہ عراق) میں پیدا ہوئے تھے ——— اُدر کے معنے نُور کے ہیں ——— بائیبل کے مطابق انکی ولادت کا زمانہ بابل کے اس مشہور واقعہ کے بعد کا زمانہ ہے۔ "جب خداوند نے وہاں ساری زمین کی زبانوں میں اختلاف ڈالا" (پیدائش ۱۱) گویا آج سے قریباً سوا چار ہزار برس قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بُت پرست اور ستارہ پرست گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ بچپن سے ہی زیرک اور ہوشیار ہونے کے علاوہ خالص موحد تھے۔ ان کی فطرت شرک اور بت پرستی سے سخت بیزار تھی۔ والد کی وفات کے بعد ان کے چچا نے اپنی آغوشِ محبت میں انہیں پالا تھا۔ اسے خیال تھا کہ ہونہار بھتیجا کل کو اس کے کام آسکے گا۔ اور اس کے کاروبار 'بت فروشی' کو فروغ دے گا مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے بچپن سے ہی اس کاروبار سے متنفر تھے اور ان کی طبیعت ابتدا ہی سے بُت پرستی کا سختی سے انکار کرتی تھی۔ ایک مشہور روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اپنے چچا کے حکم سے اپنے زمانہ طفلی میں اپنے چچیرے بھائیوں کے ساتھ بُت فروشی کی دکان پر بیٹھے تھے اور ایک سفید ریش بوڑھے مشرک نے دکان سے مٹی کا بنا ہوا بُت خریدا اور اسکی عبادت کرنے لگ گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے عجیب انداز میں مسکراتے ہوئے اس بوڑھے سے کہا کہ تو اس سفید داڑھی کے ساتھ اس بت کے آگے سرنگوں ہو رہا ہے جسے ابھی کل بنایا گیا اور ابھی فروخت کے لئے اسے دکان پر لایا گیا ہے۔ اس دل میں کھُب جانے والی طنز نے اس بوڑھے بت پرست کو دل برداشتہ کر دیا اور وہ بُت چھوڑ کر چل دیا۔

اس واقعہ سے حضرت ابراہیمؑ کی طبیعت کی اٹھان ظاہر ہے اور اس سے ان کے طرزِ کلام پر بھی ایک روشنی پڑتی ہے۔ سچ ہے ع ہونہار بِروا کے چکنے چکنے پات۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے مقامِ نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ نسلِ آدمؑ کو شرک کی دلدل سے باہر نکالیں۔ اب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ساری قوتیں اور جملہ صلاحیتیں اس مشن

کے لئے وقف کردیں اور وہ شب و روز توحید کے پھیلانے میں منہمک ہوگئے۔

انبیاء علیہم السلام آسمانِ انسانیت کے درخشندہ ستارے ہوتے ہیں جو سماوی نشانات اور منقولی و معقولی براہین کے ذریعہ بھولی بھٹکی بشریت کو راہِ حق پر لانے میں کوشاں ہوتے ہیں۔ زمانوں اور قوموں کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں۔ زمانوں اور قوموں کے فہم و ادراک کے معیار علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ نبی اپنی امّت کا باپ ہوتا ہے۔ وہ ان کی ہمدردی میں سراپا محو ہوتا ہے۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ اس کے مخاطب اس کی بات کو پوری طرح سمجھ جائیں اور اس کا بیان ان کے دلوں کی گہرائیوں تک پہنچ جائے۔ اسلئے وہ ہر قسم کے تکلّف اور تصنّع سے مبرّا کلام کرتا ہے اور دل پر اثر کرنے والی باتیں بیان کرتا ہے۔ سادہ سادہ جملوں سے جو دل میں اُترتے جاتے ہیں وہ اپنے مطالب کو ادا کرتا ہے۔ وہاں ہمہ اس کی عبارت نہایت فصیح اور معیاری ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے وقت میں اپنی قوم کی زبان کا پیمانہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنا من رسولٍ الّا بلسان قومہٖ لیبیّن لھم فیضلّ اللّٰہ من یّشاء و یھدی من یّشاء وھو العزیز الحکیم (ابراہیم ۵) کہ ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا ہے تا وہ ان کے سامنے الٰہی منشاء کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کردے۔ اِس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ ہر قوم کے کامل معیار کے مطابق نبی اپنے مطالب کو ادا کرتا ہے۔ تا اتمامِ حجّت میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ اسلئے ہر زمانہ میں بیان کے جتنے طریق متعارف ہوتے ہیں اور جو اندازِ بیان رواج پذیر ہوتا ہے نبی اسی کو اختیار کرتے ہیں اور

اللہ تعالےٰ انہیں اس طریقِ بیان اور اندازِ صراحت میں ایسی اعلیٰ درجہ کی قادر الکلامی عطا فرماتا ہے جس کے سامنے ان کے دشمن گنگ رہ جاتے ہیں اور انہیں انبیاء کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ ہمارے اس بیان کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ نبی اپنے زمانہ کے نام نہاد متکلمین کا مقلد ہوتا ہے یا وہ اپنے سے پہلے اصطلاحی علمِ کلام کا طالب علم ہوتا ہے۔ اور اس فن کے ماہرین کے مقرر کردہ ڈگر پر چلتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہمارا منشاء صرف یہ ہے کہ نبی کو عوام اور خواص کے اذہان تک پہنچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص قوتِ بیان عطا ہوتی ہے اور اسے ایسی فراست عطا کی جاتی ہے کہ اس کی با موقع اور برمحل گفتگو مُردہ دلوں کے لئے آبِ حیات کا حکم رکھتی ہے۔ سعادت مند قلوب میں اس سے زندگی کی لہر پیدا ہوجاتی ہے اور معاندصفت مخاطب بھی لاجواب ہوکر چُپ ہوجاتے ہیں۔ انبیاء کا یہ طریقِ بیان مختلف ہوتا ہے۔ انبیاء کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ خود اپنے اپنے وقت میں خاص روحانی علمِ کلام کے موجد ہوتے ہیں۔ کبھی تو یوں دکھائی دیتا ہے کہ ایک نبی اپنے کلام میں اتنی تمثیلات استعمال کرتا ہے اور اس کثرت سے مجاز و استعارات لاتا ہے کہ بیگانے تو بیگانے خود اپنے حواری تعجب سے پوچھتے ہیں کہ :۔

> "تو ان سے تمثیلوں میں کیوں باتیں کرتا ہے ؟ اس نے جواب میں ان سے کہا اسلئے کہ تم کو آسمان کی بادشاہت کے بھیدوں کی سمجھ دی گئی ہے مگر انہیں نہیں دی گئی"
>
> (متی ۱۳ / ۱۰-۱۱)

اور کبھی نبی اپنے مخاطبین کو اپنے اشعار اور موزوں کلام سے وقت کے بہترین انداز میں مخاطب کررہا ہوتا ہے

داؤد علیہ السلام کی زبور اور سلیمانؑ کی غزل الغزلات اور امثال کی کتاب اس بارے میں نمونہ ہیں۔ غرض ہر نبی اپنے وقت کا حقیقی "ابوالکلام" ہوتا ہے اور آئندہ کے لیے اسی کا کلام معیار قرار پاتا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت افصح العرب والعجم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب فرمایا اُوتِیتُ جوامع الکلم۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے جامع اور بہترین کلام بخشا ہے۔

اِس اندازِ کلام میں جو نبی کو دیا جاتا ہے وقت کے تقاضوں کے علاوہ نبی کی طبیعت اور سرشت کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ اسلئے انبیاء کے اسلوبِ کلام میں تنوّع کی ایک بڑی وجہ ان کے لطیف جذبات کے حسین ترین امتزاج کا رنگ برنگ پر ہونا بھی ہے۔ ع

ہر گُلے را رنگ و بُوئے دیگر است

آج مَیں سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسلوبِ کلام پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں کے ہاں ایک برگزیدہ نبی اور رسول یقین کئے جاتے ہیں اور ان ساری قوموں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احترام کا خاص مقام حاصل ہے۔ بایں ہمہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسرائیلی روایات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس شکل میں پیش کیا گیا ہے وہ انسانی فطرت کو زیادہ اپیل کرنے والی نہیں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے اسلوبِ کلام کے جاننے کے لئے ہمیں سب سے زیادہ اور ٹھوس مدد قرآن مجید سے ملتی ہے پھر احادیثِ نبویہؐ سے اور پھر بائیبل سے۔ بائیبل میں انسانی دست برد کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کے اسلوبِ کلام کی اس شان کا عشرِ عشیر بھی نظر نہیں آتا جو قرآن مجید میں درخشندہ طور پر نظر آتی ہے۔ روایت بہرحال روایت ہے اور خدا کا قطعی اور یقینی کلام اپنی امتیازی شان میں نمایاں اور بے مثال ہے۔ ساری حضرات پر حضرت ابراہیمؑ کے اسلوبِ کلام کی پوری وضاحت نہ ہونے کا ہی نتیجہ ہے کہ بائیبل نے ان کی بعض گفتگوؤں کو نہایت دھندلے طور پر بیان کیا ہے اور احادیث کے راویوں نے بھی اسی تاثر کے ماتحت حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے صدّیق اور راستباز ترین مقدس نبی کے بارے میں لم یکذب ابراھیم الا ثلاث کذبات کی طرح کے الفاظ درج کر دیئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بعض بزرگوں نے ان الفاظ کی قرآن مجید کے مطابق تاویل کی ہے اور وہ تاویل درست بھی ہے مگر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ درحقیقت یہ بے احتیاطی جو راویوں سے ہوئی ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسلوبِ کلام کو نہ سمجھنے کا بھی بڑا دخل ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر میں اس کی وضاحت عرض کروں گا۔

معزز حاضرین! اگر ہم کسی شخص کے اندرونی جذبات اور اس کی طبیعت کے باریک انداز کو جانتے ہوں تو ہمیں اس کے اسلوبِ کلام کو سمجھنے میں دقّت نہیں ہوتی۔ اس بات کو ملحوظِ خاطر نہ رکھنے کے باعث دُنیا میں روزمرہ ہزاروں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور صدہا انسانوں کے باہمی تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص اپنی افتادِ طبیعت کے مطابق ذرا مزاح اور مذاق کا عادی ہوتا ہے مگر دوسرا شخص اس کی بات کو سنجیدگی پر محمول کر کے دل میں رنجش پیدا کر لیتا ہے۔ حالانکہ اگر اسے بولنے والے کی طبیعت کا اندازہ ہوتا تو وہ اس کی بات کو اسی رنگ میں لیتا اور بات کچھ بھی نہ ہوتی۔ اسلئے ہر شخص کے اسلوبِ کلام کو جاننے کے لئے اس کے اندرونی جذبات کا ایک جائزہ لینا بھی ضروری ہے اور اس کی طبیعت کے بہاؤ کو مدِنظر رکھنا

بھی لازمی ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بہت ہی نرم دل تھے۔ ان کی طبیعت میں بنی نوع انسان کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں اوّاہٌ منیب قرار دیا ہے۔ وہ دوسروں کی خواہ وہ منکر اور کافر ہی ہوں تکلیف کو دیکھ نہ سکتے تھے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ جب قوم لوطؑ پر عذاب کی خبر لانے والے ان کے پاس سے گزرے اور انہیں اس قوم کے تباہ ہو جانے کا تصور ہوا تو ابراہیمؑ سخت بے چین ہو گئے۔ اللہ فرماتا ہے یجادلنا فی قوم لوط ۔ (ہود ۷۵) کہ وہ تو لوطؑ کی قوم کو بچانے کے لئے ہم سے جھگڑا کرنے لگ گیا۔

یہ کتنے پیار کے الفاظ ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے پاکیزہ جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ بائیبل میں الفاظ ذیل میں اس "پاکیزہ مجادلہ" کی ذرا تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔ لکھا ہے:۔

"تب ابراہام نزدیک جاکے بولا کیا تو نیک کو بد کے ساتھ ہلاک کرے گا؟ شاید پچاس صادق اس شہر میں ہوں کیا تو اسے ہلاک کرے گا اور ان پچاس صادقوں کی خاطر جو اس کے درمیان ہیں اس مقام کو نہ چھوڑے گا؟ ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے کہ نیک کو بد کے ساتھ مار ڈالے اور نیک بد کے برابر ہو جائیں یہ تجھ سے بعید ہے کیا تمام دنیا کا انصاف کرنے والا انصاف نہ کرے گا؟ اور خداوند نے کہا کہ اگر مَیں سدوم میں شہر کے درمیان پچاس صادق پاؤں تو مَیں ان کے واسطے تمام مکان کو چھوڑونگا۔ تب ابراہام نے جواب دیا اور کہا کہ اب دیکھ مَیں نے خداوند سے بولنے میں جرأت کی اگرچہ مَیں خاکسار اور راکھ ہوں۔ شاید پچاس صادقوں سے پانچ کم ہوں۔ کیا ان پانچ کے واسطے تو تمام شہر کو نیست کریگا؟ اور اس نے کہا اگر مَیں وہاں پینتالیس پاؤں تو نیست نہ کروں گا۔ پھر اس نے اس سے کہا کہ شاید وہاں چالیس پائے جائیں۔ تب اس نے کہا کہ مَیں ان چالیس کے واسطے بھی نہ کروں گا۔ پھر اس نے کہا مَیں منت کرتا ہوں کہ اگر خداوند خفا نہ ہوں مَیں پھر کہوں شاید وہاں تیس پائے جائیں۔ وہ بولا کہ اگر مَیں وہاں تیس پاؤں تو مَیں یہ نہ کروں گا۔ پھر اس نے کہا دیکھ مَیں نے خداوند سے بات کرنے میں جرأت کی شاید وہاں بیس پائے جائیں۔ وہ بولا مَیں بیس کے واسطے بھی اسے نیست نہ کروں گا۔ تب اس نے کہا۔ مَیں منت کرتا ہوں کہ خداوند خفا نہ ہوں تب مَیں فقط اب کی بار پھر کہوں شاید وہاں دس پائے جائیں۔ وہ بولا مَیں دس کے واسطے بھی اسے نیست نہ کروں گا۔ جب خداوند ابراہام سے باتیں کر چکا تو چلا گیا۔ اور ابراہام اپنے مقام کو پھرا۔"

(پیدائش ۱۸/۲۳-۳۳)

اس ساری گفتگو سے عیاں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے دل میں بنی نوع انسان کے لئے کتنی ہمدردی اور محبت تھی اور کفار کی سزا کے فیصلہ پر بھی سخت مضطرب اور بے چین ہو جاتے تھے۔ پس حضرت ابراہیمؑ کا نبوت و

رسالت کے بعد منکرین کی ہدایت اور ان کے ایمان لانے کے لئے غیر معمولی اور والہانہ جذبہ کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ وہ ہر قیمت پر لوگوں کی ہدایت چاہتے تھے اور ہر ممکن گفتگو اور دلیل سے انہیں حق کا گرویدہ بنانا چاہتے تھے۔ گویا انہوں نے اپنے وقت میں اسلوبِ کلام کے جملہ طریقوں کو اختیار فرمایا اور قوم کے عقیدہ اور سمجھ کے مطابق ان پر اتمامِ حجت کر دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام میں حقیقت پسندی کے پورے پورے مظاہرہ کے ساتھ اِس امر کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے کہ مخاطب کے جذبات کسی طرح مجروح نہ ہوں۔ بخاری شریف میں یہ روایت ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام گاہے ماہے ان کے حالات سے باخبر ہونے کے لئے وہاں تشریف لاتے رہتے تھے۔ اور جب حضرت اسمٰعیلؑ نے شادی کر لی ان دنوں کی بات ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیمؑ گھر پر آئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ شکار کے لئے جنگل میں گئے ہوئے تھے۔ ان کی بیوی حضرت ابراہیمؑ کو شناخت نہ کرتی تھی آپ نے اپنی بہو سے گھر کے حالات دریافت کئے۔ اس بہو نے کہا "نحن بشرٍّ نحن فی ضیق وشدّۃ" کہ ہم بہت دُکھ اور تنگی میں گزارہ کرتے ہیں۔ اس قسم کی شکایات کا ایک دفتر کھول دیا۔ حضرت ابراہیمؑ وہاں سے چل دیئے اور حضرت اسمٰعیل کے نام پیغام دے گئے کہ میرے سلام کے بعد اسے کہہ دینا :۔

"یغیّر عتبۃ بابہٖ"

کہ اپنے گھر کی دہلیز تبدیل کر لے

حضرت اسمٰعیلؑ نے اس کلام کی حقیقت کو پا لیا اور اپنی اس بیوی کو طلاق دیکر علیحدہ کر دیا اور دوسری شادی کر لی۔ اتفاق کی بات ہے کہ جب پھر حضرت ابراہیمؑ آئے تو حضرت اسمٰعیلؑ پھر گھر پر نہ تھے۔ ان کی نئی بیوی نے حضرت ابراہیمؑ کے استفسار پر بتایا کہ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے اور اس کے فضلوں کی کوئی حد نہیں۔ حضرت ابو الانبیاء علیہ السلام اس نئی بہو کو کہہ گئے کہ جب اسمٰعیلؑ آئیں تو انہیں میرا سلام پہنچا کر یہ کہنا کہ :۔

"یثبت عتبۃ بابہٖ"

کہ اب دروازہ کی اس دہلیز کو قائم رکھے اسے تبدیل نہ کرے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ مصر)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اندازِ بیان اپنے اندر حقیقت اور لطافت رکھتا ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ وہ مخاطب کے جذبات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ اس لحاظ کے باوجود وہ حقیقت کو پورے زور اور پوری قوت سے بیان کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔ رب ارنی کیف تحی الموت۔ تو میرا رب ہے اور تُو نے مجھے فرمایا ہے کہ تو ان مردوں کو زندہ کرے گا اور یہ مجھ پر ایمان لاکر دائمی زندگی حاصل کر لینگے۔ مگر یہ لوگ تو ہنوز گمراہی کی عمیق گہرائیوں میں ہیں۔ ان کی زندگی کے آثار نظر نہیں آتے۔ مجھے بتایا جائے کہ کس طرح زندگی سے ہمکنار کئے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے پوچھا کہ کیا تجھے یہ بات انہونی نظر آتی ہے اور تو اس کے ہونے پر ایمان نہیں رکھتا۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ ایمان تو ضرور ہے مگر وہ طریق بتایا جائے جس سے یہ وعدہ حقیقت کی صورت اختیار کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو یہ طریق بتایا کہ ان لوگوں سے خاص اُنس و محبت کا سلوک کیا جائے اور انہیں اپنے ساتھ مانوس کیا جائے پھر

جس طرح پرندے مانوس ہونے کے بعد اپنے اصلی مستقر پہاڑوں وغیرہ پر رکھے جانے کے باوجود تمہاری آواز پر آجاتے ہیں اسی طرح یہ لوگ اس مانوسیت کے نتیجہ میں تمہاری آواز پر لبیک کہنے والے بن جائیں گے اور وہ بات پوری ہو جائے گی۔ کہ یہ مُردے زندہ ہوں گے۔ اس وضاحت پر حضرت ابراہیمؑ کا دل مطمئن ہو گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق پر عمل پیرا ہو کر ان مُردوں کو زندگی بخشی۔

اس گفتگو سے حضرت ابراہیمؑ کے اس رجحان کا بھی پتہ لگتا ہے کہ وہ حقائق کو عملی صورت میں دیکھنے کے لئے ہر وقت بے تاب رہتے تھے۔

ان چند معروضات کے بعد میں چاہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عام اسلوب کلام کے لئے اصل سند اور اصل معیاری بیان یعنی قرآن مجید سے چار مقامات پیش کروں۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ انتہائی ہمدرد خلق نبی ہیں۔ وہ جہاں خود جذبات کی ایک دُنیا اپنے سینہ میں رکھتے تھے وہاں وہ دوسروں کے جذبات کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ مگر ان کی گرفت اپنے مخالف پر ایسی زبردست ہوتی تھی کہ وہ اس سے باہر جا سکتا تھا۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ قادر الکلامی کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ کے کلام کا ایک امتیازی خاصہ یہ تھا کہ وہ مخاطب کے عقیدہ اور اس کے مسلمات کو مدنظر رکھ کر نپے تلے الفاظ میں ایسا بھرپور وار کرتے تھے کہ مخاطب سُن کر لاجواب ہو کر رہ جاتا تھا۔ اپنی بے بسی پر مخالف دانت پیستا تھا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کو کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔ ان پر کوئی اعتراض نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی مدلل اور معقول بحث کے آگے سب لوگ عاجز آگئے عوام بھی، علماء بھی، اور بادشاہ بھی سبھی مبہوت تھے کہ ان حقائق کا مقابلہ کریں تو کیسے کریں۔ اور ان باتوں کا ردّ کریں تو کس طرح کریں۔ ایسے حالات میں عاجز اور لاجواب مخالف جو رویّہ اختیار کر سکتے ہیں وہ یہی تھا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کو تشدد کا نشانہ بنائیں، انہیں سنگسار کرنے کی دھمکی دیں، ان پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوشش کریں۔ اور آخر ایک بڑے انبوہ کی امداد سے دہکتی اور بھسم کرنے والی آگ میں انہیں ڈال دیں تا ہمیشہ کے لئے اس عاجزی اور لاجوابی کی ذلت اور آئے دن کے احساس کمتری سے خلاصی حاصل کر سکیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ان کے دشمنوں نے یہی کیا۔ مگر وہ خدا جس نے ابراہیمؑ کو ایک خاص مقصد کے ساتھ بھیجا تھا، وہ کس طرح انہیں بے یار و مددگار چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے آگ کو ٹھنڈا ہونے کا حکم دیدیا اور اپنے بندہ کو سکون اور اطمینان بخشا۔

آیئے اب ہم قرآن مجید سے جو حضرت ابراہیمؑ کے کلام کے لئے بہترین سند ہے ابراہیمی مکالمات کے چند نمونے پیش کریں۔

اوّل۔ دیکھئے کس محبت اور خلوص سے مگر پوری طاقت سے حضرت ابراہیمؑ اپنے اَبْ سے جو مشرک تھا بات کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ
كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ اِذْ قَالَ
لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا
يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ
عَنْكَ شَيْئًا ○ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ
قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ

يأتك فاتبعني اهدك صراطًا سويًّا ٥ يا أبت لا تعبد الشيطٰن إن الشيطٰن كان للرحمٰن عصيًّا ٥ يا أبت إني أخاف أن يمسك عذاب من الرحمٰن فتكون للشيطٰن وليًّا ٥ قال أراغبٌ أنت عن آلهتي يا ابراهيم لئن لم تنته لأرجمنك واهجرني مليًّا ٥ قال سلامٌ عليك ساستغفر لك ربي إنه كان بي حفيًّا ٥ (مریم ع)

ترجمہ۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کا جو حال بیان ہوا ہے اسے لوگوں کو سناؤ۔ وہ نہایت راستباز اور برگزیدہ نبی تھے وہ کیا عجیب وقت تھا جب انہوں نے اپنے آب (چچا) سے کہا کہ پیارے چچا! آپ ان چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ دعاؤں کو سنتی ہیں اور نہ پرستاروں کے حالات کو دیکھ سکتی ہیں۔ اور نہ ہی وہ آپ کو کسی اور رنگ میں کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ قابل احترام چچا! مجھے وہ آسمانی علم حاصل ہوا ہے جو آپ کو نہیں ملا۔ اسلئے آپ میری بات مانیں میں آپ کو صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کروں گا۔ اے پیارے چچا! شیطان کی عبادت نہ کر شیطان تو خدائے رحمٰن کا سخت نافرمان ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ اندریں صورت آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب پہنچے گا اور آپ مستقل طور پر شیطان کے دوست اور ساتھی بن جائیں گے۔ چچا نے جواب دیا کہ اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے متنفر ہو رہا ہے؟ اگر تو اس رویّہ سے باز نہ آیا تو میں تجھے سب وشتم کا نشانہ بناؤنگا یا سنگسار کر دوں گا۔ تو کچھ عرصہ کے لئے میری آنکھوں سے دور ہو جا اور مجھ سے الگ رہ۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اللہ کی طرف سے آپ پر سلامتی رہے میں تو آپ کی خاطر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرونگا میرا رب میرے لئے بہت مہربان ہے۔"

ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ کے اس مکالمہ کا ذکر ہے جو انہوں نے گھر میں اپنے ایک بزرگوار سے شرک کے خلاف اور توحید کی حمایت میں فرمایا تھا۔ کتنے دلکش انداز اور کس قدر محبت و پیار سے لبریز الفاظ میں اپنے مافی الضمیر کو مخاطب کے ذہن نشین کرنے کی یہ پاکیزہ کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق اور خدائے یگانہ ہونے کو کتنے سادہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک مشرک کے لئے توحید کا پیغام شاق ہوتا ہے اور جب یہ پیغام ایک کم عمر کے عزیز رشتہ دار کی طرف سے معمر بزرگ کو دیا جا رہا ہو تو اس کا شاق تر ہونا بالکل عیاں ہے۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کے انداز کلام کی خوبی ہے کہ اس مضمون کو کس حکمت اور محبت سے ادا فرمایا ہے۔ بایں ہمہ چچا کے برافروختہ ہو جانے پر حضرت ابراہیمؑ نے کس علم اور

بردباری کا ثبوت دیا ہے۔ یہ ساری گفتگو اپنے قریبی ترین رشتہ سے گھر میں ہوتی ہے۔

**دوم:** حضرت ابراہیمؑ بھری مجلس میں اپنے آب اور اپنی قوم کی بُت پرستی کے خلاف اور توحید کے حق میں کس قدر زبردست وعظ کرتے ہیں۔ اور عملی طور پر بُت پرستی کے خلاف ایک انمٹ نقش ان لوگوں کے ذہن میں قائم کر دیتے ہیں۔

(الف) إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ أَإِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ○ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ○ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ○ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ○ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ○ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ○ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ○ (الصافات ع ۳)

ترجمہ۔ یاد کرو جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور ساری قوم سے کہا کہ یہ کیا ہے جس کی تم عبادت کرتے ہو؟ کیا تم نے اللہ کے سوا جھوٹے طور پر دوسرے معبود بنانے کا ارادہ کر رکھا ہے؟ تمہارا خدا سے ربّ العالمین کے بارے میں کیا خیال ہے (کیا وہ اکیلا کافی نہیں؟) پھر حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی اور کہا کہ میں بیمار ہوں۔ سب حاضرین وہاں سے چلے گئے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ جلدی سے ان کے معبودوں کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ کیا تم کھایا نہیں کرتے؟ پھر یہ کیا ماجرا ہے کہ تم بات بھی نہیں کرتے؟ اس کے بعد اپنے ہاتھ سے انہیں مارنے لگ پڑے۔ بُت پرست بڑی سرعت سے اس کی طرف آئے۔ تب حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ کیا تم اپنے خود تراشیدہ بتوں کی پوجا کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارا تمہارے اعمال اور تمہاری تمام مصنوعات کا واحد خالق ہے (لاجواب ہو کر) بُت پرستوں نے کہا کہ ابراہیمؑ کے لئے آگ کی بھٹی تیار کرو اور اسے آگ میں پھینک دو۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں بڑا منصوبہ باندھا مگر ہم نے ان سب کو سرنگوں اور ناکام بنا دیا۔"

(ب) وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ○ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ○ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ○ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ○ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ○ قَالَ

بل ربکم رب السمٰوٰت والارض
الذی فطرھن وانا علی ذٰلکم
من الشاھدین ○ وتاللہ لاکیدن
اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین ○
فجعلھم جذاذًا الا کبیرًا لھم
لعلھم الیہ یرجعون ○ قالوا
من فعل ھٰذا بالٰھتنا انہ
لمن الظٰلمین ○ قالوا سمعنا
فتًی یذکرھم یقال لہ ابراھیم
قالوا فأتوا بہ علٰی اعین الناس
لعلھم یشھدون ○ قالوا ءانت
فعلت ھٰذا بالٰھتنا یا ابراھیم
قال بل فعلہ کبیرھم ھٰذا
فسئلوھم ان کانوا ینطقون ○
فرجعوا الٰی انفسھم فقالوا انکم
انتم الظٰلمون ثم نکسوا علٰی
رءوسھم لقد علمت ما ھٰؤلاء
ینطقون ○ قال أفتعبدون من
دون اللہ ما لا ینفعکم شیئًا
ولا یضرکم أفٍ لکم ولما تعبدون
من دون اللہ افلا تعقلون ○
قالوا حرقوہ وانصروا اٰلھتکم
ان کنتم فاعلین ○ قلنا یا
نار کونی بردًا وسلامًا علٰی
ابراھیم ۔ (الانبیاء ع ۵)

ترجمہ: ہم قبل ازیں ابراہیم کو رشد وہدایت عطا کر چکے تھے۔ اور ہم اسے خوب جانتے تھے دیا حکم جب ابراہیم نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں کیا ہیں جن پر سر جھکائے تم عبادت کرتے رہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے اسی طرح اپنے باپ دادوں کو ان کی پوجا کرتے ہوئے پایا ہے ابراہیم نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ تم بھی اور تمہارے باپ دادے بھی کھلی گمراہی میں چلے آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم! کیا تو واقعی سچی تعلیم ہمارے لئے لایا ہے یا تو محض مذاق کرنے والوں اور مذہب کو کھیل سمجھنے والوں میں سے ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ سچ یہ ہے کہ تمہارا رب تو آسمانوں اور زمین کا وہ خدا ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور میں اس پر تمہارے سامنے گواہ ہوں۔ نیز بخدا میں تمہارے چلے جانے کے بعد تمہارے ان معبودوں کے متعلق ایک اچھی تدبیر کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے سوائے بڑے بت کے باقی سب کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ تا وہ (حیرت زدہ ہو کر) ابراہیم کی طرف رجوع کریں۔ وہ لوگ (یہ نظارہ دیکھ کر) کہنے لگے کہ کس شخص نے ہمارے خداؤں کا یہ حال کیا ہے وہ یقیناً ظالموں میں سے ہے۔ پھر ان میں سے کچھ کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان ابراہیم نامی کو ان کے بارے میں ایسی ویسی باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔ پھر سب بولے کہ اسے سب کے سامنے لایا جائے تا وہ گواہ ہو سکیں (آخر جب حضرت ابراہیم کو لایا گیا تو ان مشرکوں نے ان سے کہا کہ) اے

ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں سے یہ سلوک تونے کیا ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اس سوال کو چھوڑو۔ اگر یہ خدا اور آلہہ ہیں تو یہ فعل ان کا یہ بڑا بُت ہی ان سے کرسکتا تھا۔ تم اِن شکستہ بُتوں ہی سے ذرا پوچھ دیکھو۔ اگر وہ بات کرتے ہیں۔ مشرک اپنے دلوں میں سوچنے لگے اور کہنے لگے کہ درحقیقت تم ہی ظالم ہو پھر سرنگوں اور شرمندہ ہوکر کہنے لگے کہ اے ابراہیم! یہ تو آپ پہلے سے جانتے ہیں کہ یہ بُت بات تو نہیں کرتے۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ پھر کیا تم اللہ کے سوا ایسے وجودوں کی عبادت کرتے ہو جو تم کو ذرہ نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے تم پر افسوس ہے اور تمہارے معبودوں پر بھی حیف ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ انہوں نے کہا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جلا دو اور اس طرح اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کچھ کرسکتے ہو۔ ہم نے کہا کہ اے آگ! تُو ابراہیم کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا موجب بن جا۔"

اِن دو مقامات پر اور ایسا ہی اور بعض جگہ پر اللہ تعالےٰ نے اس گفتگو کا ذکر فرمایا ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کے بارے میں اپنے چچا اور ساری قوم سے کی۔ اور نہایت مؤثر انداز میں ان پر دیوی دیوتاؤں کی بے بسی کو واضح فرمایا ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست بھی اور ستارہ پرست بھی۔ حضرت ابراہیمؑ کو قوم کے ذہنوں سے زمینی اور اجرامی تمام معبودوں کا تصور دور کرنا تھا۔ اور یہ نہایت مشکل کام تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے دلیل اور بُرہان کے ذریعہ بھی ہر قسم کے معبودانِ باطلہ کی تردید فرمائی اور پھر عملی طور پر بھی وہ رنگ اختیار کیا جس سے زمین کے بُتوں اور آسمان کے سورج، چاند اور ستاروں کا بے حقیقت ہونا النقش فی الحجر کی طرح ذہن نشین ہوجائے۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے *Practical* اور *Theoritical* ہر دو طریق اختیار فرمائے۔

حضرت ابراہیمؑ کے اس کامل اتمامِ حجت سے کفار ساکت و گنگ رہ گئے۔ دیکھئے ان آیات میں اس واقعہ کا ذکر ہے جب حضرت ابراہیمؑ پہلے کافی رات گئے تک اپنی قوم پر توحید کے بارے میں حجت قائم کرتے رہے۔ قوم عاجز و لاجواب ہوگئی مگر اپنی بات پر بضد رہی۔ تب ابراہیمؑ نے اعلان فرمایا کہ میں تمہارے بتوں کے بارے میں اب ایک اور تدبیر کرنے والا ہوں۔ وقت زیادہ ہوچکا تھا۔ اور حضرت ابراہیمؑ جیسا کہ لفظ سقیم کے ایک معنے بیمار بھی ہیں واقعی بیمار تھے۔ اسی لئے جب انہوں نے ستاروں کو دیکھ کر "اِنّی سقیم" فرمایا تو حاضرین بلا چون و چرا وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے۔ بعد ازاں کچھ دیر آرام فرما کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پروگرام کو یوں مکمل کیا کہ سارے بُت توڑ دیئے صرف بڑے بُت کو محفوظ رکھا۔ اس تدبیر سے حضرت ابراہیمؑ کا مقصد یہ تھا کہ بُت پرستوں کے سامنے بُتوں کا خدا نہ ہونا عملی صورت میں واضح کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ بت پرستوں نے جب حضرت ابراہیمؑ کو مجلس میں بُلا کر ان سے ان الفاظ میں سوال کیا:-

ءانت فعلت ھٰذا بآلھتنا یا ابراھیم

کیا تو نے ہمارے خداؤں سے یہ کارروائی کی ہے؟

تب وہ اصل موقعہ پیدا ہوگیا جس کی تلاش حضرت ابراہیمؑ کو تھی۔ چنانچہ وہ بڑے دلیرانہ انداز میں گویا ہوئے کہ تم یہ سوال مجھ سے کیوں کر رہے ہو؟ کیا اس سوال کی بھی ضرورت ہے؟ اگر یہ واقعی خدا ہیں جیسا کہ تم اب تک کہہ رہے ہو تو ان کو توڑنے کا کام میں ایک عاجز انسان کیسے کر سکتا ہوں؟ تمہارے عقیدہ کے مطابق تو یہ کام ان کا بڑا معبود ہی کر سکتا تھا۔ اور دیکھ لو کہ وہ چھوٹے خداؤں کو توڑ پھوڑ کر خود صحیح و سلامت موجود ہے۔ اب آسان راہ یہ ہے کہ مجھ سے پوچھنے کی بجائے ان ٹوٹے ہوئے بتوں سے یہ دریافت کر لو کہ کس نے ان کو توڑا ہے۔ میں نے توڑا ہے یا اس بڑے بت نے۔ یہ خاص اندازِ کلام اتنا مؤثر اور اس قدر دلنشین تھا کہ بت پرست سوچنے پر مجبور ہوگئے اور ذرا سے غور سے انہیں شرمندگی محسوس کرتے ہوئے کہنا پڑا کہ اے ابراہیم! یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ان بتوں میں قوتِ گویائی نہیں ہے۔ اب کیا تھا حضرت ابراہیم نے فی الفور ایک بھرپور وار کیا کہ ایسے بے حقیقت کو پوجنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

کتنی حیرت کی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے دشمن ان کے فقرہ بل فعلہ کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون کو جھوٹ یا غلط بیانی پر محمول قرار نہیں دیتے اور انہیں یہ نہیں کہتے کہ ایک تو آپ نے ہمارے معبودوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے اور دوسرے اب غلط بیانی کر رہے ہیں۔ دراصل کفار اور مشرکین حضرت ابراہیمؑ کے لہجہ کو سن رہے تھے، ان کے چہرہ کو دیکھ رہے تھے، ان کے اندازِ بیان کو محسوس کر رہے تھے اسلئے وہ حضرت ابراہیمؑ پر الزام دینے کی بجائے خود شرمندہ و نادم تھے۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ جو بات حضرت ابراہیمؑ کے شدید ترین دشمنوں کو نہیں سوجھی وہ علماء نے اپنی تفسیروں میں درج کر دی ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو حضرت ابراہیمؑ کو صِدّیقاً نبیّاً قرار دیا ہے، گویا ان سے کذب کا صدور ناممکن تھا۔ مگر علماء اور مفسرین کی ایک جماعت محض ابراہیمی اندازِ کلام کو نہ جاننے کے باعث ان کو جھوٹ بولنے والا یا کم از کم تین جھوٹوں کا مرتکب قرار دیتی ہے۔ یا للعجب!

حضرت ابراہیمؑ کے اپنے گھرانے کا یہ بت خانہ تھا۔ ان بتوں کے چور چور کرنے سے انہیں مالی طور پر کچھ نقصان ہوا ہوگا مگر انہوں نے شرک کے خلاف اور بت پرستی کی تردید میں اس طریق سے جو دلیل قائم کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس دلیل کی قوت کے سامنے سب مشرکین کی گردنیں جھک گئیں اور وہ سراسر لاجواب ہو کر رہ گئے۔ افسوس کہ لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے کلام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس معصوم پر بہت ظلم کیا ہے۔ صلی اللہ علیٰ ابراہیم وعلیٰ آلہٖ۔

**سوم** ۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم ستارہ پرست تھی۔ وہ سورج، چاند اور ستاروں کی پوجا کرتی تھی۔ سنیئے اور دیکھیئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کس پرحکمت اور مؤثر عملی طریق گفتگو سے اس ستارہ پرستی کا سدِباب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

واذ قال ابراھیم لابیہ اٰزر
اتتخذ اصناما اٰلھۃ انی
ارٰک وقومک فی ضلٰل مبین۔
وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت
السمٰوٰت والارض ولیکون من
الموقنین۔ فلما جن علیہ اللیل

رأی کوکبًا قال ھٰذا ربّی فلمّا
أفل قال لا احبّ الأفلین ٥
فلمّا رأی القمر بازغًا قال
ھٰذا ربّی فلمّا أفل قال لئن
لم یھدنی ربّی لأکوننّ من القوم
الضالّین ٥ فلمّا رأی الشمس
بازغةً قال ھٰذا ربّی ھٰذا اکبر
فلمّا أفلت قال یاقوم انی
بریٓءٌ مّمّا تشرکون ٥ انّی وجّھتُ
وجھی للّذی فطر السّمٰوٰت و
الارض حنیفًا وّما انا من المشرکین ٥
(انعام ع ۹)

ترجمہ۔ وہ وقت یاد کرو جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا آزر سے کہا تھا کہ کیا تو اپنے تراشے ہوئے اصنام کو خدا قرار دیتا ہے۔ میرے نزدیک تو آپ اور آپ کی ساری قوم خطرناک گمراہی میں ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کے مشاہدات کراتے تھے۔ وہ اس طرح کامل یقین رکھنے والوں میں تھے۔ چنانچہ جب رات پڑی تو انہوں نے ستارہ کو دیکھ کر کہا کہ آیا یہ میرا رب ہے؟ مگر جب وہ غروب ہوگیا تو اعلان کر دیا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند کو زیادہ چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے؟ جب وہ بھی غروب ہوگیا تو کہنے لگے کہ اگر میرے سچے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں بھی ان راہ گم گمراہوں میں سے ایک ہوتا۔ پھر جب سورج نظر آیا اور وہ زیادہ روشن تھا تو پھر کہا کہ کیا یہ میرا رب ہے یہ تو بڑا بھی ہے؟ مگر جب سورج بھی غروب ہوگیا تو فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں ان معبودوں سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہرا رہے ہو۔ میں تو اپنی پوری توجہ سے اس خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اور میں مشرکوں میں سے ہرگز نہیں ہوں۔"

ان آیات کی تفسیر میں اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے واقعی سچ مچ پہلے ستارہ کو خدا سمجھا جب وہ ڈوب گیا تو اس سے بیزار ہوگئے۔ پھر چاند کو خدا مانا اور اس کے غروب ہونے پر اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ پھر سورج کو خدا قرار دیا اور جب وہ بھی نظروں سے اوجھل ہوگیا تو وہ اس سے بھی بیزار ہو گئے۔ اگر کوئی ایسی تفسیر کرتا ہے تو یقیناً وہ حضرت ابراہیمؑ کے اسلوبِ کلام سے سخت ناواقف ہے اور قرآن کریم کے بیان سے بھی سراسر ناآشنا۔ ایسی تفسیر کرنے والے کو اگر اور کوئی بات سمجھ نہیں آتی تو کیا وہ اتنی واضح بات بھی نہیں سمجھ سکتا کہ چاند کے غروب ہوجانے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہے لئن لم یھدنی ربّی لأکوننّ من القوم الضالّین۔ کہ اگر میرے خدا نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں بھی ان گمراہ لوگوں میں شامل ہوتا۔ اس صراحت کے بعد کیا ادنیٰ عقل سے بھی تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد سورج نکلنے پر حضرت ابراہیمؑ سورج کو اپنا معبود ٹھہرا لیں؟

اصل بات یہ ہے کہ یہ گفتگو ایک مناظرانہ گفتگو ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے قوم کا منہ بند کرنے کے لئے عقلی

دلائل کے علاوہ عملی دلیل کی یوں وضاحت کی۔ کہ یہ ستارہ ہے جسے تم خدا قرار دیتے ہو اور کہتے ہو کہ میں بھی اسے "ھٰذا ربّی" تسلیم کروں۔ مگر یہ تو ڈوب رہا ہے۔ پھر جب ڈوب جاتا ہے تو انہیں کہتے ہیں کہ ڈوبنے والے خدا نہیں ہو سکتے۔ خدا کی شان یہ ہے کہ وہ حاضر و ناظر ہو۔ پھر چاند کے طلوع پر اور پھر سورج کے نکلنے پر اسی عملی دلیل کا اعادہ فرماتے ہیں اور اس طرح قوم کے ذہنوں میں یہ امر اچھی طرح بٹھا دیتے ہیں کہ ستارے، چاند اور سورج خدا اور معبود نہیں ہیں۔ بلکہ دوسری مخلوق کی طرح خدا کی مخلوق ہیں۔ قوم کے لوگ اس دلیل کے آگے گنگ ہو جاتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔ گویا ابراہیمی علم کلام کا لوہا مان جاتے ہیں۔

**چہارم۔** قوم عاجز آ چکی ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی تباہی کے منصوبے سوچے جا رہے ہیں۔ اسی دوران میں حضرت ابراہیمؑ کو اس وقت کے بادشاہ نمرود کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جو اس سورج پرست قوم کا بادشاہ ہے۔ اب دیکھئے اس جگہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کس جرأت اور کس عقلمندانہ دلیل سے کام لیتے ہیں اور پھر کس حکمت سے کلام کرتے ہیں کہ بادشاہ بھی لاجواب ہو کر مبہوت رہ جاتا ہے۔ فرمایا:۔

الم تر الی الّذی حآجّ ابراھیم
فی ربّہ ان اٰتٰہُ اللہ الملک
اذ قال ابراھیم ربّیَ الّذی
یُحیٖ ویُمیتُ قال انا اُحیٖ
واُمیتُ قال ابراھیم فانّ
اللہ یأتی بالشّمس من المشرق
فأتِ بھا من المغرب فبُھِتَ
الّذی کفر واللہ لا یھدی
القوم الظّٰلمین ٥ (بقرہ ع ۳۵)

ترجمہ۔ کیا تجھے اس شخص کے بارے میں اطلاع نہیں جس نے اس وجہ سے کہ خدا نے اسے بادشاہت عطا کی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بہت اچھا اللہ تعالےٰ تو سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لا کر دکھا۔ اس پر وہ کافر حیران رہ گیا کہ کیا جواب دے۔ سچ ہے کہ اللہ تعالےٰ ظالم لوگوں کو کامیابی کا راستہ نہیں دکھاتا؟

اس گفتگو کو اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں اپنے اس دعویٰ کی تائید کے لئے ذکر فرمایا ہے۔ اللہ ولیّ الّذین اٰمنوا یخرجھم من الظّلمٰت الی النّور کہ اللہ تعالےٰ مومنوں کا دوست ہے انہیں جملہ تاریکیوں سے نکال کر نور اور روشنی کی طرف لاتا ہے پس بادشاہ وقت سے حضرت ابراہیمؑ کی یہ گفتگو خاص توجہ کی محتاج ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے لئے نظام احیاء و اماتت کو پیش فرمایا۔ بادشاہ نے معاملہ کو مشتبہ کرنے کے لئے کہہ دیا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ تب حضرت ابراہیمؑ نے باذنِ الٰہی اپنی پہلی دلیل "احیاء و اماتت" کے ایک ایسے معین پہلو کو پیش کیا جس پر نمرود کی زبان بند ہو گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ

احیاء و اماتت کا تعلق نظامِ شمسی سے ہے۔ میرا خدا اسے ایک مقررہ قانون کے مطابق ہمیشہ سے مشرق سے لا رہا ہے۔ اگر تُو اس نظام پر اختیار رکھتا ہے تو اسے تبدیل کرکے دکھا دے۔ اب نمرود کے لئے دوہری مصیبت تھی۔ واقعاتی طور پر بھی یہ دلیل اس کا مُنہ بند کرنے والی تھی اور اس کے علاوہ قوم کے عقیدہ کے ڈر سے بھی اس کی زبان خاموش ہوگئی۔ ساری قوم سورج کو سب سے بڑا دیوتا مانتی تھی۔ نمرود ڈرتا تھا کہ اگر میں نے جھوٹ موٹ بھی یہ کہا کہ سورج کو مشرق سے میں ہی لاتا ہوں تو سب لوگ میرے مخالف ہوجائیں گے اس لئے وہ مبہوت ہوگیا اور کسی قسم کا جواب نہ دے سکا۔

بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دلیل تبدیل کرلی ہے۔ یہ خیال درست نہیں۔ دلیل تو بہرحال احیاء و اماتت والی ہی ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بادشاہ کے ناجائز رویّہ کو دیکھ کر اسے اس دلیل کے ایسے پہلو سے گرفت کی ہے۔ جس پر بادشاہ کو لاچار اور خاموش ہونا پڑا۔ اب گویا اس کے لئے "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" کا معاملہ ہوگیا تھا۔ اور وہ عاجز آگیا۔ یہ طریقِ گفتگو حضرت ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام کا ایک خاص اندازِ کلام ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے گفتگو کرنے والوں کو رات کے زیادہ گزر جانے کی طرف توجہ دلانے کے لئے ستاروں پر نظر کی اور ان سے کہا۔ اِنِّی سَقِیْمٌ۔ کہ میں سقیم ہوں۔ لفظ سقیم کے متعدد معنے ہیں۔ یہ بھی کہ میں بیمار ہوں اور یہ بھی کہ میں تمہارے رویّہ سے اُکتا گیا ہوں اور یہ بھی کہ میں توحید کی غیرت میں ان بُتوں سے بدلہ لینے والا ہوں، آخری معنوں کے رُو سے یہ گویا "لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ" کا مفہوم ہی اس لفظ میں ادا ہوا ہے۔ چونکہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ کے معنے یہ بھی ہیں کہ میں بیمار ہوں اسلئے بعض مفسرین نے یہ معنے لے کر اور پھر یہ دیکھ کر کہ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُت خانے کی مورتیاں توڑ دی تھیں، یہ لکھ دیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے (نعوذ باللہ) جھوٹ بولا ہے۔ وہ بیمار نہ تھے اور انہوں نے یونہی کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔ حالانکہ بیماری کے بھی اقسام ہیں۔ اور معمولی تراشیدہ بُتوں کا توڑنا کونسی بڑی بات تھی۔

پھر اس جگہ سب سے بڑھ کر قابلِ غور امر یہ ہے کہ "اِنِّیْ سَقِیْمٌ" جملہ اسمیہ اور مؤکدہ ہے حضرت ابراہیمؑ نے یہ جملہ اپنے اشد ترین دشمنوں سے خطاب کرتے ہوئے ان کے سامنے بولا ہے۔ اگر فی الواقع حضرت ابراہیمؑ بیمار نہ تھے تو ان لوگوں کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی تکذیب کرنے کے لئے اس سے بہتر موقعہ کونسا ہوسکتا تھا۔ وہ فوراً کہہ دیتے کہ آپ ہم سے حق کی حمایت کے دعویٰ پر مناظرہ کررہے ہیں اور یہ صریح جھوٹ بول رہے ہیں۔ واقعہ میں آپ بیمار نہیں مگر آپ کہہ رہے ہیں کہ "میں یقیناً بیمار ہوں" یہ کھلا جھوٹ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بیان "اِنِّیْ سَقِیْمٌ" پر آپ کے معاندین نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ بلکہ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فتولّوا عنه مدبرین وہ عملاً تصدیق کرتے ہوئے فوراً اُٹھ کر چلے گئے۔ کیونکہ انہیں نظر

آتا تھا کہ واقعی حضرت ابراہیمؑ بیمار ہیں اور اتنی لمبی گفتگو سے ان کی کوفت میں اور بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ انتہائی تعجب کی بات ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ کے دشمن تو ان کے قول "اِنّی سقیم" کی عملاً تصدیق کرتے ہیں مگر حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے کے کچھ مدّعی کہتے ہیں کہ ان کا یہ بیان کذب وجھوٹ تھا۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔

قرآن مجید کے بیانات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے کسی بیان میں کوئی خلاف واقعہ بات نہیں ہے اور نہ ہی ان کی کسی بات پر ان کے دشمنوں کو گرفت کا موقعہ ملا ہے۔ پس جن لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے کلام کو نہ سمجھنے کے باعث ان کے کلام کو کذب یا جھوٹ پر مشتمل قرار دیا ہے یہ ان کی سراسر غلط فہمی ہے۔ حضرت ابراہیم کے کلام میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ اور ان کے زمانہ کے دشمنوں تک نے ان پر اس قسم کا کوئی الزام نہیں لگایا تھا۔ یہودی تحریف کے نتیجہ میں ان پر کذب بیانی کا جو الزام لگنے والا تھا اس کے لئے انہوں نے پہلے سے دعا مانگی تھی :-

وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ - (الشعراء ع۵)

کہ اے میرے خدا! آخر میں آنے والے لوگوں میں میرے لئے سچائی کی زبان اور تذکرہ قائم کر دے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کو قبول فرمایا اور قرآن مجید کے ذریعہ اعلان کر دیا۔ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔ کہ حضرت ابراہیمؑ نہایت درجہ راستباز نبی تھے۔ ان سے کذب کا صدور ناممکن تھا۔ بعض مفسرین کی غلطی سے اس آخری زمانہ میں یہ الزام پھر ذکر ہونے لگا اور ناسمجھی سے قرآن مجید کی آیات کی غلط تفسیر کی جانے لگی۔ اور حضرت ابراہیمؑ پر پھر کذب کا الزام لگایا جانے لگا۔ اور عیسائی پادریوں اور آریہ پنڈتوں نے اپنے اعتراضات کو زور سے شائع کرنا شروع کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو اس دَورِ آخرین میں کھڑا کر دیا تا وہ اعلان کرتی رہے کہ حضرت ابراہیمؑ کامل سچے پیغمبر تھے۔ اور ان کے کلام کو نہ سمجھنے کے باعث جو استدلال کئے جاتے ہیں وہ محض غلط ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوبِ کلام ایک خاص اور عجیب اسلوب ہے۔ اس کو سمجھے بغیر جو غلط اور ناروا الزام سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر لگائے جاتے ہیں سراسر باطل ہیں۔ جملہ انبیاء ہر قسم کے کذب اور جھوٹ سے معصوم ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء تھے۔ وہ خاص طور پر اس قسم کے الزام سے پاک تھے۔ اگر وہ (معاذ اللہ) جھوٹے ہوتے تو خداوند تعالیٰ ان کے لئے اتنا بڑا خارقِ عادت معجزہ نہ دکھاتا۔ کہ آگ کو ٹھنڈا کر دیتا اور اسے ابراہیم کے لئے سلامتی کا موجب بنا دیتا۔

حقیقت یہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت سے بھی ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صادق ترین وجودوں میں سے ایک خاص وجود تھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

خاکسار۔ ابوالعطاء جالندھری

۲۰ ۱۰/۵۹

# رسالہ الفرقان کے متعلق تحریک

## حضرت میرزا بشیر احمدؐ صاحب ایم۔ اے کے قلم سے !

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابل قدر رسالہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو کیونکہ اس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں اور قرآن کے فضائل اور اسلام کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے۔ ایک طرح سے یہ رسالہ اُس غرض و غایت کو پُورا کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدنظر رسالہ ریویو آف ریلیجنز۔ اُردو ایڈیشن کے جاری کرنے میں تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یہ خواہش بڑی گہری اور خدا کی پیدا کردہ آرزو پر مبنی ہے کہ اگر ایسے رسالہ کی اشاعت ایک لاکھ بھی ہو تو پھر بھی دُنیا کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے کم ہے۔ پس مخیّر اور مستطیع احمدی اصحاب کو یہ رسالہ نہ صرف زیادہ سے زیادہ تعداد میں خود خریدنا چاہیئے بلکہ اپنی طرف سے نیک دل اور سچائی کی تڑپ رکھنے والے غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب کے نام بھی جاری کرانا چاہیئے۔ تا اس رسالہ کی غرض و غایت بصورت احسن پوری ہو اور اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی پوری شان کے ساتھ ساری دُنیا کو اپنے نُور سے منوّر کرے۔ یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہُوا کہ ابھی تک یہ رسالہ مالی لحاظ سے نقصان پر جا رہا ہے۔ زندہ قوموں کے زندہ رسالے ہر جہت سے زندگی کے آثار سے معمور ہونے چاہئیں۔ ایسے رسالہ کا مالی تھپیڑوں کی وجہ سے بند ہونا بہت قابلِ شرم ہوگا۔ فقط والسلام

خاکسار۔
مرزا بشیر احمدؐ۔ ربوہ ۵۹ء"

(الفضل مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۵۹ء)

سورہ بقرہ ع ۳۶

# البیان

## قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ان لوگوں کی حالت جو اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ

اُس دانے کی حالت کی مانند ہے جو ایسی سات بالوں کے اُگانے کا موجب بنتا ہے جن

سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ

میں سے ہر ایک بالی میں سَو دانے ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے اور بھی بڑھاتا ہے ۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

اللہ تعالیٰ بڑی وسعتوں والا اور خوب جاننے والا ہے ۔ وہ لوگ جو اپنے مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں

**تفسیر**۔ اِس رکوع میں انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ دین کی اشاعت اور جہاد کی کامیابی کا انحصار بڑی حد تک اموال پر ہے ۔ مال کو اس نظامِ کائنات میں انسانی کاموں کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پُرخلوص خرچ کو بہت بڑی ترقی کا پیش خیمہ قرار دیا ہے اور بتلایا ہے کہ راہِ خدا میں مال خرچ کرنے والے کسی طور پر خسارہ میں نہیں رہ سکتے ۔ ان کے تو ایک ایک دانے کا اجر و ثواب سات سات سَو گُنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو کر اُنہیں ملیگا ۔ ایک دانہ سے سات بالیں اور ہر بالی میں سَو دانوں کا ذکر بعض کے نزدیک محض فراوانیٔ جزاء کی تمثیل ہے مگر بعض روحانی مفسرین کا قول ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ دنیا میں بھی اسی نسبت سے بلکہ اس سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا

پھر اپنے خرچ کردہ اموال کے پیچھے احسان جتانے یا ایذا دہی کا

وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

طریق اختیار نہیں کرتے۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑا ثواب ہے۔　نہ ان پر خوف ہوگا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

اور نہ وہ　غمگین ہوں گے۔　محض اچھی بات کہہ دینا نیز قصور وار کا قصور معاف کر دینا اس صدقہ سے

صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

ہزاروں گنا زیادہ بہتر ہے جس کے بعد ایذا دہی شروع ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ بہت بے نیاز اور بہت بردبار ہے۔　اے وہ لوگو! جو

اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ

ایمان لائے ہو تم بھی اپنے صدقات کو احسان جتا کر یا تکلیف دیکر ویسے آدمی کی طرح ضائع مت کرو　جو

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اپنے مال کو لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور وہ دل میں اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان

بھی زیادہ (واللہ یضاعف لمن یشاء کے مطابق) پیدا وار بڑھائی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں صدقہ وخیرات کی قبولیت کے لئے بھی اسی طرح خلوصِ نیت اور للّٰہیت شرط ہے جس طرح باقی عبادات اور قربانیوں کے لئے ہے۔ بلکہ صدقہ میں ایک اور خطرے کے پیشِ نظر خلوصِ نیت کے علاوہ مزید شرط یہ بھی ہے کہ جسے صدقہ دیا گیا ہو اس پر بھی احسان نہ جتایا جائے اور نہ اسے کسی قسم کی قولی یا فعلی تکلیف پہنچائی جائے۔ ایسا ہی بے ریا صدقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے ورنہ ریاکاری کا خرچ تو انسان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مغضوب علیہ بنا دیتا ہے۔ ایسے خرچ مال سے کہیں زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ انسان دوسروں کو نیک باتوں کی تلقین کرے یا اگر اسے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس سے درگذر کرے۔ یہ کام جن میں بظاہر کسی قسم کا مال خرچ نہیں ہوتا ایسے خرچ سے درجہا بہتر ہیں جس کے بعد احسان جتایا جائے

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ

نہیں لاتا ۔ ایسے شخص کی مثال تو اس پتھر کی مثال کی طرح ہے جس پر قدرے

تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۚ لَا يَقْدِرُونَ

مٹی تھی پھر اس پر زور کی بارش برسی جس نے اسے محض چٹیل پتھر کر دیا۔ ایسے لوگ اپنی کوششوں

عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

کے کسی پھل کو حاصل نہیں کر سکتے ۔ اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو کامیابی کا راستہ نہیں دکھاتا ۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ

ان لوگوں کی مثال جو اپنے اموال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول اور اپنے نفسوں

مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ

کی ثابت قدمی کے ثبوت و اضافہ کے لئے خرچ کرتے ہیں اس گھنے باغ کی مثال

جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ

کی طرح ہے جو بلندی پر ہو اور اسے زور کی بارش سیراب کرتی رہے اور وہ عام حالات سے کئی گنا زیادہ اپنا پھل دے ۔

یا کسی قسم کی تکلیف دی جائے ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ حقیقتاً اپنے اموال اور صدقات کو ضائع کرتے ہیں جو احسان جتاتے یا دُکھ پہنچاتے ہیں۔ ایسے لوگ دوسروں سے واہ واہ حاصل کرنے کی خاطر ایسا کرتے ہیں ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہوتا وہ صرف اس دنیا کی چند روزہ تعریف کے لئے یہ ساری تگ و دَو کرتے ہیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں پر ایمان نہیں لاتے اور انہیں آخرت کی بازپرس یا اس کی نعمتوں کا یقین نہیں ہوتا ۔ ان کے ظاہری ایمان کی مثال اس مٹی کی ہوتی ہے جو کسی پتھر پر پڑ جاتی ہے لیکن بارش کے ایک ریلے سے ہی بہہ جاتی ہے اور پتھر کا پتھر ہی رہ جاتا ہے ۔ اس کے مقابل پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے مالی قربانیاں پیش کرنے والے جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہاں پر دوسری

فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

اگر اس پر موسلا دھار بارش نہ بھی ہو تب بھی (بوجہ بلندی شادابی) اس کیلئے شبنم ہی کافی ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ

کیا تم میں سے کسی کو اپنے لئے یہ بات پسند ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

جس میں نہریں بہتی ہوں۔ اور اسے اس باغ سے ہر قسم کے پھل بافراغت میسر ہوں

وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ

اور پھر اس پر بڑھاپا آجائے درآنحالیکہ اس کے بچے چھوٹے اور کمزور ہوں۔ اور پھر اسی دوران میں اس باغ پر

اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

ایسا بگولا آجائے جس میں آگ ہو اور اس سے باغ جل کر راکھ ہوجائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ○ ع ۳۶

نشانات اور احکام بیان فرماتا ہے تا تم غور و فکر سے کام لیتے رہو۔

طرف وہ ان قربانیوں کے نتیجہ میں اس راستہ پر اور بھی ثابت قدم ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ ہر نیکی دوسری نیکی کا ذریعہ بنتی ہے اور ہر بدی دوسری بدی کے لئے محرک ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے اعمال کا باغ ہر طرح سرسبز و شاداب ہے۔ اس کے پھل کئی گنا زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ موسلا دھار بارش ہوجائے تو پھر تو سونے پر سہاگہ ہے ورنہ عام شبنم کا پانی بھی ان کے باغ کے سرسبز و شاداب رکھنے اور پھل دار بنانے میں کافی و وافی ہوتا ہے۔ یہ مثال ایسے مومنوں کے لئے جو پورے خلوص سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مالی قربانی کرتے ہیں اور کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ہر کام صرف خدا کے لئے کرو اور صرف اسی سے اس کا اجر چاہو۔

احادیث نبویہ میں اسلامی زندگی کے لئے ہدایات

# پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

## (۳)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "الادب المفرد" کے انتخاب کی قسط ۳ مع ترجمہ و تشریح درج ذیل ہے:۔ (ایڈیٹر)

(۱۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَرَّ وَالِدَهُ طُوْبٰى لَهُ زَادَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ عُمُرِهِ۔

**ترجمہ**۔ حضرت سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اضافہ فرماتا ہے۔

**تشریح**۔ انسانی عمر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ امور اور قوانین جن سے انسان کی زندگی اور رفاہیت میں زیادتی ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کے ساتھ عمدہ سلوک کرے۔ ایک تو ایسے نیک بخت بچے کو خود خوشی اور مسرت ہوتی ہے اور دوسرے والدین اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور ماں باپ کی دعا بچوں کے حق میں بہت زیادہ قبول ہوتی ہے۔

(۱۱) اَخْبَرَتْنِيْ اَسْمَاءُ بِنْتُ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ اَتَتْنِيْ اُمِّيْ رَاغِبَةً فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰصِلُهَا قَالَ نَعَمْ۔

**ترجمہ**۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے بتایا ہے کہ میری والدہ میرے ہاں آئیں وہ ہنوز مشرک تھیں مگر انہیں اسلام سے رغبت تھی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں ان سے اس حالت میں حسن سلوک کروں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں ضرور حسن سلوک کرو۔

**تشریح**۔ ماں باپ کا غیر مسلم بلکہ مشرک ہونا بھی اس بارے میں کوئی روک نہیں کہ ان کا مسلمان بچہ یا بچی اُن سے حسن سلوک کرے۔ نہ صرف یہ کہ روک نہیں بلکہ حکم ہے کہ ایسی حالت میں بھی ماں باپ

بہترین سلوک کرو۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ رَأٰى عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حُلَّةَ سِيَرَاءَ تُبَاعُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْتَعْ هٰذِهٖ فَالْبَسْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَإِذَا جَاءَكَ الْوُفُوْدُ قَالَ إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهٖ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا بِحُلَلٍ فَأَرْسَلَ إِلٰى عُمَرَ بِحُلَّةٍ فَقَالَ كَيْفَ أَلْبَسُهَا وَقَدْ قُلْتَ فِيْهَا مَا قُلْتَ قَالَ إِنِّيْ لَمْ أُعْطِكَهَا لِتَلْبَسَهَا وَلٰكِنْ تَبِيْعُهَا أَوْ تَكْسُوْهَا فَأَرْسَلَ بِهَا عُمَرُ إِلٰى أَخٍ لَهٗ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ۔

**ترجمہ**۔ حضرت عبداللہ بن دینار روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے سُنا انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں عمدہ ریشمی چادریں فروخت ہوتی دیکھیں تو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ازراہ محبت عرض کیا کہ اگر حضور یہ خرید لیں تو بہت عمدہ ہے آپ جمعہ کے روز نیز جب باہر سے وفود آپ کی ملاقات کے لئے آئیں اُس وقت زیب تن فرمایا کریں حضور نے فرمایا کہ ایسے ریشمی کپڑے وہ مرد پہنتے ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

بعد ازاں ایک موقعہ پر حضور علیہ السلام کے پاس بہت سے ایسے ریشمی جوڑے آئے تو آپ نے ایک جوڑا ان میں سے بطور تحفہ حضرت عمرؓ کے پاس بھی بھیجا۔ انہوں نے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں ایسے کپڑے کس طرح پہن سکتا ہوں جبکہ ان کے بارے میں میں حضور کا وہ ارشاد سُن چکا ہوں جو آپ نے فرمایا تھا۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے یہ چادر آپ کو اسلئے تو نہیں بھیجی کہ آپ خود پہنا کریں بلکہ اسلئے کہ آپ اسے بیچ کر رقم اپنے مصرف میں لے آئیں یا کسی اور رشتہ دار کو دیدیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ ریشمی کپڑا اپنے ایک بھائی کو مکّہ میں بھجوا دیا جو ابھی تک غیر مُسلم تھا۔"

**تشریح**۔ اِس حدیث سے متعدد مسائل واضح ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ دنیوی تعیّش و تنعم کی زندگی انبیاء اور صلحاء کے شایانِ شان نہیں۔ دوم یہ کہ جن بعض اشیاء کا مردوں کے لئے استعمال ممنوع ہے حالانکہ وہ اصولاً حرام نہیں انکو بطور تحفہ دیا جاسکتا ہے۔ سوم ایسے تحفہ کو بیچ کر مصرف میں لایا جاسکتا ہے۔ چہارم یہ کہ اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کو تحفہ دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غیر مسلم بھائی کو تحفۃً ریشمی کپڑے بھیجے تھے۔

کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

# زندگی کا سرچشمہ

جب تُو دُعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے کہ تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے تب تیری دُعا منظور ہوگی اور تُو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھے گا جو ہم نے دیکھے ہیں۔ اور ہماری گواہی رؤیت سے ہے نہ بطور قصہ کے۔ اُس شخص کی دُعا کیونکر قبول ہو اور خود کیونکر اُس کو بڑی مشکلات کے وقت جو اس کے نزدیک قانونِ قدرت کے مخالف ہیں دُعا کرنے کا حوصلہ پڑے جو خدا کو ہر ایک چیز پر قادر نہیں سمجھتا۔ مگر اے سعید انسان تُو ایسا مت کر۔ تیرا خدا وہ ہے جس نے بے شمار ستاروں کو بغیر ستون کے لٹکا دیا۔ اور جس نے زمین و آسمان کو محض عدم سے پیدا کیا۔ کیا تُو اس پر بدظنی رکھتا ہے کہ وہ تیرے کام میں عاجز آجائے گا۔ بلکہ تیری ہی بدظنی تجھے محروم رکھے گی۔ ہمارے خدا میں بے شمار عجائبات ہیں مگر وہی دیکھتے ہیں جو صدق اور وفا سے اُس کے ہو گئے ہیں۔ وہ غیروں پر جو اُس کی قدرتوں پر یقین نہیں رکھتے اور اس کے صادق وفادار نہیں ہیں وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا۔ کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اُس کا ایک خدا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اسکو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اسمیں پائی۔ یہ دولت لینے کے قابل ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے قابل ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کریگا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائیگا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سُن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سُننے کیلئے لوگوں کے کان کھلیں۔" (کشتی نوح)

تاریخی واقعات وحقائق

# ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کیونکر ہوئی؟

(۱)

محترم جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی نے ایک قیمتی رسالہ "تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان" شائع کیا ہے۔ مضمون کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اس کے بستہ بستہ حصے ہم الفرقان میں درج کرتے رہیں گے۔ محترم جناب شیخ صاحب ٹھوس حقائق اور مستند واقعات کی بناء پر لکھنے والے بزرگ ہیں۔ اس مضمون میں انہوں نے جملہ واقعات تاریخی ثبوتوں کے ساتھ پیش فرمائے ہیں ——— (ایڈیٹر)

## تبلیغ اسلام کا پہلا ذریعہ

### علماء اور فضلاء، صوفیاء اور فقراء

اس مقدس گروہ نے جس کو تلوار سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا، اور جسے بالعموم کوئی دنیوی شان وشوکت بھی حاصل نہ تھی، ہندوستان میں دو طرح سے تبلیغ اسلام کی ہے :-

(۱) خود لوگوں کو سمجھا بجھا کر، اُن کو وعظ ونصیحت کرکے ان کو اسلام کے محاسن بتا کر، بُت پرستی کے نقائص اُن پر واضح کرکے خدا پرستی کے فوائد اُن کو جتا کر اور اپنا نیک نمونہ ان کو دکھا کر۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نامِ نامی اس سلسلہ میں ہمیشہ سورج کی طرح چمکتا رہے گا۔ یہ ایک فقیر آدمی اور گروہِ صوفیاء میں سے ایک گوشہ نشین بزرگ تھے سیستان کے رہنے والے تھے۔ اصفہان میں پیدا ہوئے اور خراسان میں پرورش پائی۔ نہ کہیں ٹھکانا تھا نہ گھر باون برس کی عمر تک کبھی اس شہر میں کبھی اس شہر میں مصروفِ سیاحت رہے۔ جہاں پڑ گئے سو گئے، جو مل گیا کھا لیا۔ غرض ایک فقیرانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسی دوران میں ایک روز سفرِ حج اور روضۂ رسولؐ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے، اور ارشاد فرمایا، "معین الدین! آ میں تجھے حج اور زیارت سے بھی زیادہ ایک ضروری کام بتاؤں۔ واپس لوٹ، صحیح معنوں میں معین الدین بن اور تبلیغ اسلام کے لئے ہندوستان کا رُخ کر"۔ آنکھ کھلی تو تعمیلِ حکم میں بے لَو فقیر فوراً اپنی گدڑی سنبھال پا پیادہ ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس بزرگ کی اولوالعزمی ملاحظہ ہو سینکڑوں ہزاروں میل کا سفر تھا جو مصائب، تکالیف اور خطرات سے گھرا ہوا تھا، پاس نہ کوئی زادِ راہ اور نہ سواری کا انتظام اور پھر لُطف یہ کہ تبلیغ کے لئے جا ایسے ملک میں رہے ہیں

جس کی نہ زبان سے واقفیت ہے، نہ وہاں کے باشندوں کے عادات وخصائل کا کچھ پتہ ہے، نہ کہیں ٹھہرنے کا ٹھکانا ہے نہ بیٹھنے کا، نہ یہ معلوم ہے کہ کس طرح کام شروع کیا جائے، نہ یہ خبر ہے کہ کہاں کامیابی کی امید ہو سکتی ہے اور کہاں نہیں؟ اور سارا ملک بُت پرستی اور عناصر پرستی سے بھرا ہوا ہے مگر کوئی بھی خطرہ اس پہاڑ کی طرح مستقل مزاج انسان کو اپنے عزم سے باز نہ رکھ سکا۔ اور وہ تن تنہا ہندوستان کو فتح کرنے کے لئے چل پڑا۔

راستہ میں ہر قسم کی مصیبتیں خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتا ہوا عشقِ سرمدی کا یہ دیوانہ ہندوستان کی سرحد کو عبور کرکے پہلے لاہور آیا۔ کچھ دن یہاں ٹھہرا پھر دہلی کا رُخ کیا۔ چند دن یہاں قیام کیا اور پھر اجمیر جا بسا۔
(تاریخ السلطنت ص۹)

اجمیر میں حضرت خواجہؒ کی دُور بین نگاہ نے دیکھ لیا کہ یہاں رہ کر کام بہت اچھا چل سکتا ہے اور یہاں سے تمام مُلک میں آسانی کے ساتھ تبلیغ ہو سکتی ہے۔ پس آپؒ نے یہیں ڈیرے ڈال دیئے اور اس قدیم شہر کو اپنا مستقر بنا کر پورے جوش کے ساتھ تبلیغِ اسلام میں مصروف ہو گئے

سب سے اوّل اس بہادر انسان کی تبلیغی تلوار راجہ اجمیر کے گورو پر پڑی اور اپنا کام کر گئی۔ یہ شخص راجہ کا گورو ہونے کی وجہ سے بڑی عزت ووقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ہر شخص اس کے علم وفضل کا معترف تھا۔ جب عوام نے دیکھا کہ راجہ کا گورو مسلمان ہو گیا، تو سوچا کہ آخر اسلام میں کوئی خوبی ہی ہوگی جو اتنا بڑا وِدوان جوگی مسلمان ہو گیا۔ پس لوگ جوق در جوق آنے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔[1] یہاں تک کہ تمام اجمیر میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اسلام پھیل گیا۔ لوگوں کے رجوع الی الحق کی کیفیت یہ تھی کہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب ایک مرتبہ خواجہ صاحبؒ اجمیر سے دہلی تشریف لے گئے تو راستہ میں سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا۔[2] آپ [illegible] ہجری میں پیدا ہوئے، ۵۸۸ھ ہجری میں ہندوستان آئے اور [illegible] ہجری میں وفات پائی۔

یہی وہ عظیم انسان ہے جو آج سلطان الہند کے نام سے مشہور ہے اور جس کی آرامگاہ (اجمیر) لاکھوں عقیدتمندوں کا مرجع بنی ہوئی ہے۔ آپؒ نے اپنی عمر کے پورے چوالیس سال ہندوستان میں پھر کر تبلیغِ اسلام پر بسر کئے۔ ان کا اوڑھنا اور بچھونا تبلیغ تھا۔ سوتے جاگتے، بیٹھتے اُٹھتے، چلتے پھرتے سوائے تبلیغ کے کچھ اور کام نہ تھا۔ درحقیقت آپ ہی کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان میں مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک مسلمان پھیلے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ ہندوستان میں مسلمانوں کی جڑیں حضرت معین الدین چشتیؒ نے مضبوط کیں۔ قیامت تک ہندوستان میں جو بھی مسلمان ہوگا اس کا ثواب خدا کے اس اولوالعزم جرنل کے نامۂ اعمال میں ضرور لکھا جائے گا۔ "سلطان الہند" معین الدین اجمیری کا یہ حملہ ہندوستان پر ان ہزارہا مسلح توپخانوں اور بیسیوں زبردست بادشاہوں کے حملوں سے بہت زیادہ کامیاب اور بہت زیادہ عظیم الشان تھا جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کے ساتھ اور پورے سازوسامان کی موجودگی میں ہندوستان پر حملے کئے۔

---

[1] ایلیٹ کی تاریخ ہند جلد دوم ص۵۴۲

[2] دعوتِ اسلام از پروفیسر آرنلڈ ص۲۹۸

# "حرفِ محرمانہ" پر تبصرہ

## (۴)

## ایک اور غلط اور خود ساختہ قاعدہ

جناب برق صاحب لکھتے ہیں :-

"جب خاتم کا لفظ کسی جماعت یا گروہ کی طرف مضاف ہو تو وہ لازماً آخری کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً خاتم المہاجرین (آخری مہاجر) خاتم المنجمین (آخری منجم) خاتم الخلفاء (آخری خلیفہ) اور خاتم الانبیاء (آخری نبی) عربوں کے وسیع لٹریچر میں اس کی لاکھوں مثالیں موجود ہیں لیکن اس قاعدہ کے خلاف ایک بھی مثال موجود نہیں "

(حرفِ محرمانہ صـ۲۲)

برق صاحب کا یہ خود ساختہ قاعدہ سراسر ناقص ہے اور آیت قرآنیہ ولٰکن رسولَ اللہِ وخاتمَ النبیّٖن میں واردشدہ لفظ خاتم النبیّٖن کے متعلق تو بالکل نادرست ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقامِ مدح پر آیا ہے اور اس قسم کا مرکب اضافی عربی زبان میں جب کبھی مقامِ مدح پر آتا ہے تو اس کے معنے زمانہ کے لحاظ سے آخری ہونے کے ہرگز نہیں آتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ چونکہ یہ اہم موضوع ہے اس لئے لغت کے رُو سے اس بارے میں مفصّل بحث درج کریں۔ سو یاد رہے کہ لفظ خاتم کے معنے مُہر اور انگوٹھی کے ہوتے ہیں۔ خاتَم اگر تاء کی زبر سے ہو تو اس کے معنے بالاتفاق مُہر کے ہوتے ہیں۔ لِمَا یُخْتَمُ بِہٖ کے معنے۔ اور اگر خاتِم تاء کی زیر سے پڑھا جائے تو اس کے دوؔ معنے ہوتے ہیں (۱) مُہر (۲) مُہر لگانے والا۔ گویا اس صورت میں یہ اسم فاعل کے معنے بھی دیتا ہے۔ مگر اس کے ایک معنے خاتِم بکسر تاء ہونے کی صورت میں بھی مُہر کے ہوتے ہیں۔ لغت کی کتاب میں لکھا ہے :-

"والخاتَمُ ما یُوضع علی الطینۃ حلی للاصبع کالخاتِم والخاتام والخیتام" (القاموس المحیط)

قرآن مجید کی مشہور قراءت میں خاتَم آیا ہے جس کے معنے مفرد ہونے کی صورت میں بہرحال مُہر کے ثابت ہیں۔ اسلئے لفظ خاتم النبیّٖن میں خاتم کے معنے مُہر کے ہی ہونے چاہئیں۔ اسی لئے مترجم قرآن مجید میں بالعموم "نبیوں کی مُہر" ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ تاہم اسم فاعل کے معنوں کے پیش نظر "ختم کرنے والا" معنے بھی درست ہیں۔ لفظ خَتَم کے معنے امام راغبؒ کی لغت میں حسب ذیل لکھے ہیں :-

" الختم والطبع یقال علیٰ وجھین؛

مصدر ختمت وطبعت وھو تاثیر
الشیئ کنقش الخاتم والطابع والثانی
الاثر الحاصل عن النقش ویتجوز
بذالک تارۃً فی الاستیثاق من
الشیئ والمنع منہ اعتباراً بما یحصل
من المنع بالختم علی الکتب والابواب
نحو خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وختم
علی سمعہ وقلبہ وتارۃً فی تحصیل
اثرعن شیئ اعتباراً بالنقش الحاصل
وتارۃً یعتبر منہ بلوغ الاٰخر…الخ"

کہ لفظ ختم اور طبع کا اطلاق دو طرح سے ہوتا ہے۔ (۱) فعل خَتَمَ اور طَبَعَ کے مصدر کے طور پر یعنی کسی چیز کا دوسری پر اثر انداز ہونا جیسا کہ مُہر یا انگوٹھی سے نقش کرنا۔ (۲) نقش پیدا کرنے کے نتیجہ میں پیدا شدہ اثر یا نقش کو بھی ختم کہتے ہیں۔ یہ دونو ختم کے حقیقی معنے ہیں۔ مجازی طور پر اس کے معنے مضبوطی سے بند کرنے اور روکنے کے بھی ہوتے ہیں اور یہ کتابوں اور دروازوں پر مُہر کرنے سے ماخوذ ہیں۔ کبھی کبھی اس کے معنے نقش حاصل کے اعتبار سے کسی چیز کے ذریعہ نقش پیدا کرانے کے بھی ہوتے ہیں۔ کبھی اس کے معنے آخر تک پہنچنے کے بھی ہوتے ہیں۔"

اِس حوالہ سے ثابت ہے کہ لفظ ختم کے حقیقی معنے مُہر سے نشان لگانے کے ہیں یا خود اس نشان کے ہیں جو مُہر لگانے سے پیدا ہوتا ہے۔ استعمال اور محاورہ میں جیسا کسی کمال کے لئے ختم کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اس کمال کے انتہائی درجہ کو حاصل کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت فریدالدین عطارؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں ؎

ختم کردہ عدل و انصافش بحق
تا فراست بردہ از مردم سبق

(منطق الطیر صہ ۲۹)

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر عدل و انصاف ختم ہو گیا یعنی آپ عدل و انصاف کرنے میں درجۂ کمال پر تھے۔

جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں:۔

"سو جس میں اس صفت کا زیادہ ظہور ہو جو خاتم الصفات ہو یعنی اس سے اُوپر اور صفت ممکن الظہور یعنی لائق انتقال و عطائے مخلوقات نہ ہو وہ شخص مخلوقات میں خاتم المراتب ہوگا اور وہی شخص سب کا سردار اور سب سے افضل ہوگا۔"

(رسالہ انتصار الاسلام صہ ۴)

جناب مولوی الطاف حسین صاحب حالیؔ شیخ سعدیؒ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ہمارے نزدیک جس طرح طعن و ضرب اور جنگ و حرب کا بیان فردوسی پر ختم ہے اسی طرح اخلاق، نصیحت و پند، عشق و جوانی، ظرافت و مزاح، زہد و ریا وغیرہ کا بیان شیخ (شیخ سعدی) پر ختم ہے۔"

(رسالہ حیاتِ سعدی صہ ۱۰۱)

لفظ ختم کے استعمال کا یہ طریق عربی، فارسی اور اُردو

میں شائع و متعارف ہے۔

آیتِ قرآنی میں لفظ خاتم مضاف ہے اور النّبیین مضاف الیہ۔ النّبیین پر جو الف لام (اَل) آیا ہے۔ اگر یہ عہد خارجی کا ہو تو اس سے آنحضرتؐ کا انبیاء سابقین یعنی شریعت لانے والے اور براہِ راست نبوت پانیوالے نبیوں کا خاتم ہونا ثابت ہے۔ اور اگر اَل عہد ذہنی کیلئے ہو تو اس میں انبیاء کے تمام افراد مقدرہ بھی شامل ہونگے۔ ایک صورت اَل کا استغراق کے لئے ہوتا ہے اور یہ زیادہ انسب ہے۔ اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا استثناء سب نبیوں کے خاتم قرار پائیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ عربی زبان میں **خاتم بصورت مرکب اضافی کیا معنے رکھتا ہے؟ استقراءِ زبان عربی سے یہ قاعدہ معلوم ہوتا ہے کہ جب لفظِ خاتم کسی صاحبِ کمال جماعت کی طرف مضاف ہو اور اس مرکب اضافی کا استعمال مقام مدح پر ہوا ہو تو اس کے معنے اس جماعت کے اکمل اور افضل فرد کے سوا اور کچھ نہیں ہوتے۔** میں نے جہاں تک عربی زبان کا مطالعہ کیا ہے اس قاعدہ کے خلاف ایک مثال نہیں پائی۔ ہندوستان میں بھی اور مصر و فلسطین کے قیام کے عرصہ میں وہاں بھی علماء سے اس بارے میں استفسار کیا، انہیں **چیلنج کیا، مگر وہ اِس قاعدہ کے خلاف ایک مثال پیش نہ کر سکے۔** کافی عرصہ گذرا میں نے مندرجہ ذیل چالیس استعمالات شائع کئے تھے۔ میں انہیں اس جگہ پھر درج کرتا ہوں تا برقی صاحب بھی ان پر غور کر سکیں۔

## خاتم کے بصورت مرکب اضافی استعمال کی چالیس مثالیں

(۱) ابوتمام شاعر کو خاتم الشعراء لکھا ہے۔
(وفیات الاعیان جلد اوّل)

(۲) ابو الطیب کو خاتم الشعراء کہا گیا ہے۔
(مقدمہ دیوان المتنبی مصری ص ک)

(۳) دراصل ابو العلاء المعری خاتم الشعراء تھا۔
(حوالہ مذکورہ حاشیہ)

(۴) شیخ علی حزیں کو ہندوستان میں خاتم الشعراء سمجھتے ہیں۔
(حیاتِ سعدی ص ۱۱۷)

(۵) حبیب شیرازی کو ایران میں خاتم الشعراء سمجھا جاتا ہے۔
(حیاتِ سعدی ص ۸۰)

(۶) حضرت علیؓ خاتم الاولیاء ہیں۔ (تفسیر صافی سورۂ احزاب)

(۷) امام شافعی خاتم الاولیاء تھے۔
(التحفۃ السنیۃ ص ۴۵)

(۸) شیخ ابن العربی خاتم الاولیاء تھے۔
(سرورق فتوحات مکیہ)

(۹) کافور خاتم الکرام تھا۔
(شرح دیوان المتنبی ص ۳۰۴)

(۱۰) امام محمد عبدہ مصری خاتمۃ الائمہ تھے۔
(تفسیر الفاتحہ ص ۱۴۸)

(۱۱) السید احمد السنوسی خاتمۃ المجاہدین تھے۔
(اخبار الجامعۃ الاسلامیہ فلسطین
۲۷ محرم ۱۳۵۲ھ)

(۱۲) احمد بن ادریس کو خاتمۃ العلماء المحققین کہا گیا ہے
(العقد النفیس)

(۱۳) ابوالفضل الالوسی کو خاتمۃ المحققین لکھا ہے۔
(ٹائیٹل پیج تفسیر روح المعانی)

(۱۴) شیخ الازہر سلیم البشری کو خاتم المحققین قرار دیا گیا ہے۔
(الحراب صفحہ ۳۷۲)

(۱۵) امام سیوطی کو خاتمۃ المحققین لکھا گیا ہے۔
(سرورق تفسیر اتقان)

(۱۶) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کو خاتم المحدثین لکھا جاتا ہے۔ (عجالہ نافعہ جلد اوّل)

(۱۷) الشیخ شمس الدین خاتمۃ الحفاظ تھے۔
(التجرید الصریح مقدمہ صفحہ ۴)

(۱۸) سب سے بڑا ولی خاتم الاولیاء ہوتا ہے۔
(تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۴۲۲)

(۱۹) ترقی کرتے کرتے ولی خاتم الاولیاء بن جاتا ہے۔
(فتوح الغیب صفحہ ۴۳)

(۲۰) الشیخ بخیت کو خاتمۃ الفقہاء مانا جاتا ہے۔
(اخبار الصراط المستقیم یافا ۲۷ رجب ۱۳۵۴ھ)

(۲۱) شیخ رشید رضا کو خاتمۃ المفسرین قرار دیا گیا ہے۔
(الجامعۃ الاسلامیہ ۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ)

(۲۲) شیخ عبدالحق صاحب خاتمۃ الفقہاء تھے۔
(تفسیر الاکلیل سرورق)

(۲۳) الشیخ محمد بخیت خاتمۃ المحققین تھے۔
(الاسلام مصر، شعبان ۱۳۵۴ھ)

(۲۴) افضل ترین ولی خاتم الولایت ہوتا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۷۱)

(۲۵) شاہ عبدالعزیز صاحب خاتم المحدثین والمفسرین تھے۔ (ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۴)

(۲۶) انسان خاتم المخلوقات الجسمانیہ ہے۔
(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۲۲ مطبوعہ مصر)

(۲۷) الشیخ محمد بن عبداللہ خاتمۃ الحفاظ تھے۔
(الرسائل النادرۃ صفحہ ۳)

(۲۸) علامہ سعد الدین تفتازانی خاتمۃ المحققین تھے
(شرح حدیث الاربعین صفحہ اوّل)

(۲۹) ابن حجر العسقلانی خاتمۃ الحفاظ ہیں۔
(طبقات المدلسین سرورق)

(۳۰) مولوی محمد قاسم صاحب کو خاتم المفسرین لکھا گیا۔
(اسرار قرآنی ٹائیٹل پیج)

(۳۱) امام سیوطی خاتمۃ المحدثین تھے۔
(ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۲۱۰)

(۳۲) بادشاہ خاتم الحکام ہوتا ہے۔
(حجۃ الاسلام صفحہ ۸)

(۳۳) آنحضرت صلعم خاتم الکاملین تھے۔
(حجۃ الاسلام صفحہ ۳۵)

(۳۴) انسانیت کا مرتبہ خاتم المراتب ہے۔ اور آنحضرت صلعم خاتم الکمالات ہیں۔
(علم الکتاب صفحہ ۱۴۰)

(۳۵) حضرت عیسیٰؑ خاتم الاصفیاء الائمہ ہیں۔
(بقیۃ المتقدمین صفحہ ۱۸۴)

(۳۶) حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء تھے۔ (منار الہدیٰ صفحہ ۱۰۶)

(۳۷) رسول مقبول صلعم خاتم المعلمین تھے۔
(الصراط السوی مصنفہ علامہ محمد سبطین)

(۳۸) الشیخ الصدوق کو خاتم المحدثین لکھا ہے۔
(کتاب من لایحضرہ الفقیہہ)

(۳۹) آنحضرتؐ خاتم المومنین خاتم العارفین بھی ہیں۔
(ملفوظات احمدؐ جلد ۱ صفحہ ۲۲۴)

(۴۰) عقل انسانی عطیات الٰہیہ وجود، زندگی اور قدرت کی خاتم الخلع ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۳)

---

میرا خیال ہے کہ اگر ایسی مثالوں کا استقصار کیا جائے تو صدہا مثالیں مل سکتی ہیں مگر اس کے برخلاف ایک مثال نہیں دی جاسکتی۔

پس خاتم النبیین کے معنے عربی زبان کی تحقیق کے مطابق صرف یہی ہیں کہ آپؐ افضل النبیین اور اکمل المرسلین ہیں۔ آپؐ کا افضل النبیین ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ آپؐ سے بڑا یا آپؐ کا ہمسر کوئی نہ ہو۔ آپؐ کی شریعت کا ناسخ کوئی نہ آسکے۔ افاضۂ کمال کے ثبوت کیلئے تابع اور ظلّی نبی آتے رہیں۔ سچ ہے ؎

ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بہ وشد اختتام

حضرت مولانا روم مثنوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں ؎

بہر ایں خاتم شدست او کہ بجود
مثل او نے بود نے خواہند بود

کہ آپؐ خاتم اسلئے ہوئے کہ آپؐ بے مثل ہیں۔ فیضِ روحانی کی بخشش میں آپؐ جیسا نہ کوئی نبی پہلے ہوا ہے اور نہ آئندہ آپؐ جیسے ہوں گے۔"

پھر مزید وضاحت کے لئے مولانا فرماتے ہیں ؎

چونکہ در صنعت برد استاد دست
تو نہ گوئی ختم صنعت بر تو است

کہ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ جب کوئی استاد صنعت اور دستکاری میں کمال پیدا کر لیتا ہے اور دوسروں پر سبقت لے جاتا ہے تو تُو اسے کہتا ہے کہ اے استاد تجھ پر صنعت و دستکاری ختم ہے تیری مانند کوئی صنعت گر اور دستکار نہیں ہے۔"

؎ در کشادِ ختم ہا تو خاتمی
در جہاں روح بخشاں حاتمی

اے سید الانبیاءؐ! بندشوں اور رکاوٹوں کے ہٹانے اور عقدہ ہائے لاینحل کے حل کرنے میں تو خاتم یعنی بے مثل اور یگانۂ روزگار ہے اور روحانیت عطا کرنے والوں کی دُنیا میں تُو حاتم کی طرح لاثانی ہے۔

یہ کتنا پاکیزہ اور رُوح پرور مفہوم ہے خاتم النبیین کا!

ہمیں اس جگہ ہم ایک اور حوالہ جناب مولوی شبیر احمدؐ صاحب دیوبندی کا (جنہیں پاکستان میں شیخ الاسلام بھی کہا جاتا ہے) آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

"اب میں اس کے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنی عادات و اخلاق میں تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق تھے ایسا ہی علوم کے بھی سارے مراتب آپؐ پر تمام کر دیئے گئے تھے۔ کیونکہ انبیاء سابقین میں نہ ایسا اعجاز علمی کسی کو دیا گیا نہ اس کے اتباع میں کسی نے اِن علوم کے دریا بہائے ہیں جو اہلِ اسلام نے بہائے ہیں اور جب کہ صفتِ علم تمام ان صفات کی خاتم ہے جو مرتی عالم میں ہیں تو جس کا اعجاز علمی ہو گا گویا اس پر اتمام کمالاتِ علمی کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور اسی کو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاء کہنا مناسب ہو گا۔" (رسالہ اعجاز القرآن ص۹۱)

اِن جملہ حوالجات سے برقؔ صاحب کے خود ساختہ اور غلط قاعدہ کی پوری پوری تردید ہو جاتی ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ لفظ خاتم جب بطور مضاف استعمال ہوتا ہے اور مضاف الیہ کوئی صاحبِ کمال ہوتا ہے اور یہ استعمال مقامِ مدح پر ہوتا ہے تو اسکے معنے زمانی طور پر آخری کے نہیں ہوتے بلکہ اسکے معنے اس قوم کے اعلیٰ اور اکمل فرد کے ہوتے ہیں پس برقؔ صاحب کا قاعدہ سراسر غلط اور خود ساختہ ہے۔


## دینی خزانہ

| | |
|---|---|
| پیارے خدا کی پیاری باتیں مجلّد | ۱—۸—۰ |
| پیارے رسول کی پیاری باتیں مجلّد | ۱—۸—۰ |
| مسلم نوجوانوں کے سنہری کارنامے مجلّد | ۱—۸—۰ |
| اسلامی اصول کی فلاسفی | ۱—۰—۰ |
| کشتی نوحؑ | ۰—۱۰—۰ |
| عورتوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۰۰ احادیث مجلّد | ۰—۱۲—۰ |
| نماز مترجم مجلّد | ۰—۸—۰ |
| ملفوظات امام الزمانؑ | ۰—۸—۰ |
| مقصدِ زندگی و احکامِ ربانی | ۰—۶—۰ |
| ہر انسان کے لئے ایک ضروری پیغام | ۰—۲—۰ |
| خدا تعالیٰ کا عظیم الشان نشان | ۰—۴—۰ |
| ایک عظیم الشان ربانی بشارت | ۰—۲—۰ |
| اہلِ اسلام کس طرح ترقی حاصل کر سکتے ہیں | ۰—۲—۰ |
| تمام جہان کو چیلنج مع ڈیڑھ لاکھ کے انعامات | ۰—۲—۰ |
| احمدیت کے متعلق پانچ سوالات | ۰—۲—۰ |
| احمدیت کا پیغام فارسی | ۰—۶—۰ |
| پوسٹ فری وی پی یا رجسٹری | ۰—۸—۰ |

سیکرٹری انجمن ترقی اسلام سکندر آباد (آندھرا پردیش (انڈیا)


## ہمارے معاونین (از ضم)

| | | |
|---|---|---|
| شیخ عبد الاحد صاحب | کوئٹہ | ۵ خریدار |
| مرزا محمد امین صاحب | " | ۱۰ " |
| پولان کنڈ ٹیکشن | " | ۵ " مرحم |
| چوہدری رشید الدین صاحب | کوئٹہ | ۲ خریدار |
| ڈاکٹر سراج الحق خان صاحب | " | ۵ " |
| لجنہ اماء اللہ | " | ۵ " |
| چوہدری فتح محمد صاحب ہریکے ٹرانسپورٹ لاہور | | ۱۰ " |

(باقی آئندہ)

# ہمارے معاونین

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے نے رسالہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے لئے تحریک فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :-

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابل قدر رسالہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو..... پس مخیر اور مستطیع احمدی اصحاب کو یہ رسالہ نہ صرف زیادہ سے زیادہ تعداد میں خود خریدنا چاہیئے بلکہ اپنی طرف سے نیک دل اور سچائی کی تڑپ رکھنے والے غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب کے نام بھی جاری کرانا چاہیئے۔"

ذیل میں ہم ان اصحاب کے نام شکریہ اور تحریک دعا کے طور پر شائع کرتے ہیں جنہوں نے سابقہ فہرست معاونین کے بعد اپنی خریداری کے علاوہ مزید خریدار بہم پہنچائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر بخشے۔ آمین

| | | |
|---|---|---|
| چوہدری عبدالرزاق صاحب ملتان شہر | | ۲ خریدار |
| چوہدری اکرام اللہ صاحب اینڈ کو ملتان چھاؤنی | | ۴ " |
| چوہدری عبداللطیف صاحب ملتان شہر | | ۵ " |
| مکرمی ملک عمر علی صاحب ملتان چھاؤنی | | ۵ " |
| شیخ مبارک احمد صاحب کوئٹہ | | ۲ " |
| چوہدری مسعود احمد صاحب خورشید کراچی | | ۹ " |
| محترمہ بنت " " " " | | ۲ " |
| چوہدری فضل دین صاحب گوردھن داس مارکیٹ کراچی ۲ | | ۲ " |
| ملک مبارک احمد صاحب ناظم آباد کراچی ۲۶ | | ۵ " |
| جناب ملک بشیر احمد صاحب نیو وے کراچی | | ۲۰ " |
| ملک نذیر احمد صاحب معرفت قیصر سینما کراچی | | ۱۲ " |
| " " " " " " | | ۲ " |
| چوہدری محمد یوسف خان صاحب | " | ۱ " |
| شیخ منظور احمد صاحب | " | ۴ " |
| سید غلام مرتضیٰ صاحب | " | ۴ " |
| جناب شیخ عبدالحفیظ صاحب | " | ۱۰ " |
| چوہدری محمود احمد صاحب | " | ۱ " |

| | | |
|---|---|---|
| ملک منیر احمد صاحب | کراچی | ۱۲ خریدار |
| چوہدری بشیر احمد صاحب | " | ۵ " |
| چوہدری شریف احمد صاحب وڑائچ | " | ۱ " |
| مکرمی چوہدری احمد مختار صاحب المختار | " | ۱۰ " |
| ڈاکٹر جلال الدین صاحب | " | ۱ " |
| چوہدری محمد اسرائیل صاحب | " | ۲ " |
| شیخ عبدالحق صاحب جیکب لائن | " | ۲ " |
| محترمہ بیگم صاحبہ شاہنواز خاں | " | ۵ " |
| ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب دادو سابق سندھ | | ۴ " |
| شیخ محمد اقبال صاحب اقبال بوٹ ہاؤس کوئٹہ | | ۲ " |
| خان عبدالوحید خان صاحب | " | ۴ " |
| ملک کرم الٰہی صاحب ایڈووکیٹ | " | ۵ " |
| ڈاکٹر عبدالرشید صاحب اقبال روڈ | " | ۲ " |
| کرنل محمود احمد صاحب | کراچی | ۱ " |
| میاں دین محمد صاحب | کوئٹہ | ۴۰ " |
| میاں بشیر احمد صاحب زعیم انصار اللہ | " | ۱۰ " |
| محمد لطیف صاحب زرگر | " | ۳ " |

(باقی ص۴۳ پر)

# شربت فولاد

جگر کے تمام امراض۔ کمی خون، زردی چہرہ و ضعف ہر قسم کیلئے مفید ترین لذیذ اور خوش ذائقہ شربت۔

معدہ اور جگر کی تمام کمزوریوں کو دُور کرکے خون صالح پیدا کرتا ہے۔ ہفتہ عشرہ استعمال سے جسم میں توانائی اور چہرہ میں سُرخی پیدا ہوجاتی ہے۔ بواسیر خونی، کثرت حیض، اور جسم سے جریانِ خون کے بعد کی کمزوری کے لئے بہت مفید ہے۔

اس کا عام استعمال یومیہ کارکردگی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی کمزوری کو دُور کرتا ہے۔

بچوں کو اگر شروع سے ہی استعمال کروایا جائے تو ان کی جسمانی نشوونما بہت عمدہ ہوتی ہے۔

## غرضیکہ

بچوں، جوانوں، بوڑھوں، دماغی و جسمانی محنت کرنے والے لوگوں کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔

## ترکیب استعمال

- بڑوں کے لئے ایک چمچہ چار نصف گھنٹہ بعد غذا۔
- چار سال سے بارہ سال کی عمر تک کے لئے نصف چمچہ
- چار سال سے کم کے لئے ¼ چمچہ

قیمت فی شیشی عہ؍ علاوہ اخراجات ڈاک و پیکنگ۔

تیار کردہ

## خورشید یونانی دواخانہ ربوہ

# نور کاجل

- آنکھوں کو بیماری سے محفوظ رکھتا ہے۔
- بیمار آنکھوں کا علاج ہے۔
- نظر کو صاف اور تیز کرتا ہے۔
- آنکھوں کو گرد و غبار سے صاف کرتا ہے۔
- آنکھوں میں خوبصورتی اور چمک پیدا کرکے چہرہ کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔
- خارش، پانی بہنا، پھنسی اور ناخونہ کا بہترین علاج ہے۔
- بیسیوں جڑی بوٹیوں کے جوہر سے تیار کیا گیا ہے۔ اور پچاس سالہ استعمال و تجربہ کے بعد پیش کیا جارہا ہے۔

## لہٰذا

اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی آنکھوں کو خوبصورت رکھنے کے لئے ہمیشہ

## نور کاجل

استعمال کریں!

بوقت ضرورت ایک ایک سلائی آنکھوں میں ڈالیں۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ چار آنے۔

علاوہ محصولڈاک و پیکنگ

تیار کردہ

## خورشید یونانی دواخانہ ربوہ

# الفردوس کلاتھ مرچنٹ

## انار کلی لاہور

سے

ہر قسم کا سُوتی، ریشمی اور اُونی کپڑا خریدیں۔

پہلے سے زیادہ آپ کے تعاون کی ضرورت ہے

تشریف لائیے ۔ تجربہ شرط ہے

الفردوس کلاتھ مرچنٹ انار کلی لاہور


طابع و ناشر:۔ ابوالعطاء جالندھری ۔ مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ۔ مقام اشاعت:۔ دفتر الفرقان احمدنگر ربوہ ضلع جھنگ